

علمی بے راہ روی کے اسباب

اور

جاوید احمد غامدی کے بعض نظریات کا جائزہ

تالیف

مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی

(استاذ فقہ وحدیث دار العلوم حیدرآباد)

علمی بے راہ روی کے اسباب

اور

جاوید احمد غامدی کے بعض نظریات کا جائزہ

تالیف

مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی

استاد فقہ و حدیث دار العلوم حیدرآباد

نام کتاب	علمی بے راہ روی کے اسباب اور جاوید احمد غامدی کے بعض نظریات کا جائزہ
مؤلف	مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی استاذ فقہ وحدیث جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدر آباد فون: 9704095041
سن اشاعت	۱۴۴۲ھ م ۲۰۲۰ء
تعدادِ صفحات	160
قیمت	150
کمپوزنگ	مولوی حافظ عمیر احمد
ناشر	الکرم پبلیشرز مغل پورہ، حیدر آباد

ملنے کے پتے

(۱) جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدر آباد، شیورام پلی، فون:	040-24016479
(۲) محمد مظہر محی الدین صاحب، مغلپورہ، موبائل:	91-9866743411
(۳) دکن ٹریڈرس، مغلپورہ و چار مینار، فون:	040-24521777
(۴) سنابل بکڈ پو، مغلپورہ، حیدر آباد، موبائل:	91-9347024207
(۵) ہدیٰ ڈسٹری بیوٹرس، پرانی حویلی، فون:	040-25414892

فہرستِ مضامین

حصۂ اول

حصہ دُوم

حصہ سُوم

کلماتِ بابرکات

سید الملت عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد جمال الرحمٰن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

صدر دینی مدارس بورڈ وسرپرست لجنۃ العلماء تلنگانہ وآندھرا

راہِ زندگی اختیار کرنے کے لئے خواہ وہ عقیدہ وعمل کا مسئلہ ہو یا فکر ونظر کا؛ تین طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں، ایک افراط اختیار کرنے والے، دوسرے تفریط کا شکار ہونے والے اور تیسرے راہِ اعتدال کو منتخب کرنے والے، راہِ اعتدال: راہِ اوسط اور راہِ عدل ہے جو اسلام کی نظر میں پسندیدہ اور دوسری راہیں ناپسندیدہ بلکہ ظلم ہیں، کسی کو اس کے مقام سے ہٹادینا خواہ بصورتِ افراط ہو یا بصورتِ تفریط ظلم ہے، اس لئے کہ ظلم "وضعُ الشئَ فی غیر محلہ" کا نام ہے۔

اسلام ہی راہِ مستقیم ہے، قرآن سب سے سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے، "اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ " نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم راہِ مستقیم کی رہنمائی فرماتے ہیں "وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ "اور راہِ مستقیم: قرآن وسنت سے تمسک سے میسر آتا ہے اور مراداتِ قرآن وسنت کو خوب سمجھ کر اپنانے والے "منعم علیھم" ہوتے ہیں، اسی لئے قرآن "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ " کے بعد "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ " کہا، افراد کی نشاندہی کی گئی ہے، صحابہ کی طرح ایمان لانے کی تعلیم دی گئی " اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ" اور سبیل المؤمنین کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرنے والوں کو برے انجام سے ڈرایا گیا ہے "وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ..... الآیۃ "

دراصل گمراہی کے دو بنیادی اسباب ہوتے ہیں، ایک جہالت، دوسرے علمِ حق کے

مقابلہ میں خودرائی اوراپنی عقل وفہم کوزیادہ اہمیت دینا،عقل کارآمد چیز ہے جب تک کہ وہ علمِ حق کے تابع ہو ورنہ بے اعتدالی کا شکار ہوجاتی ہے،جتنے گمراہ فرقے اور نظریے وجود میں آئے،ان کے پیچھے بنیادی طور پر یہی دو اسباب ہیں۔

بہت قابلِ قدر کاوش ہے عزیز القدر مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی کی ؛ جو ایک باصلاحیت نوجوان عالمِ دین ہیں،علم وتحقیق کا اچھا ذوق پایا ہےاورایک کامیاب استاذِ فقہ وحدیث ہیں،علمی بے راہ روی کے اسباب پر بہت خوب روشنی ڈالی ہےاورموجودہ دور کے بعض جدید نظریات اوراسلاف سے ہٹ کر اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے والوں میں بالخصوص جاوید احمد غامدی کے کچھ نظریات کا جائزہ لیا ہے،جس کی شدید ضرورت تھی،اس لئے کہ غامدی صاحب کی عبارتوں میں تعارضات وتناقضات بھی ہیں اورسلف سے ہٹ کر بے لگام اجتہاد کے نمونے بھی،جس سے کم علم لوگ اس سے متاثر ہوکر راہ اعتدال چھوڑنے کے خطرات بھی،اس لئے مفتی محمد مکرم محی الدین صاحب کی یہ کاوش اس وقت کی ایک اہم ضرورت ہے،اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازیں اور گمراہی سے حفاظت کا اس کتاب کو ذریعہ فرمائیں۔

(حضرتِ اقدس مولانا شاہ) محمد جمال الرحمٰن عفی عنہٗ (صاحب دامت برکاتہم العالیہ)

(۲۹/ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ م ۲۲/جولائی ۲۰۲۰ء)

تقریظ

امین الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صدر مفتی وشیخ الحدیث ثانی دارالعلوم حیدرآباد

موجودہ دور میں امت مسلمہ نہایت ہی کٹھن اور دشوار گذار مراحل سے گزر رہی ہے ،ایک طرف مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹادینے اور عرصۂ حیات کو ان پر تنگ کرنے کے لئے اسلام دشمن عناصر مسلسل تگ وتاز کررہے ہیں ،اور نہایت منصوبہ بندی کے ساتھ وہ قدم بہ قدم منزل مقصود کی جانب رواں دواں ہیں ،تو دوسری طرف بعض نام نہاد مسلمان مارِ آستین بن کر اسلام کی شبیہ کو مسخ کرنے کے لئے پیہم جدوجہد کررہے ہیں، ہر روز وہ ایسا شوشہ چھوڑ دیتے ہیں جو روحِ شریعت سے بالکل غیر ہم آہنگ ہوتا ہے،جس کی وجہ سے مسلمانوں کا عام طبقہ کشمکش کا شکار ہوجاتا ہے، یہ سلسلہ کوئی جدید اور عصرِ حاضر کی پیداوار نہیں ہے؛ بلکہ خیرالقرون کے زمانہ سے ہی ایسے بدنصیب افراد جنم لیتے رہے ہیں جنہوں نے اپنی عقل پر بے جا اعتماد کرکے قرآن وحدیث کی من مانی تشریح شروع کردی،عقل کے دائرۂ کار سے صرفِ نظر کرکے محض اپنے ذہن ودماغ پر بھروسہ کیا ،اور اقوالِ صحابہ وتشریحاتِ سلفِ صالحین سے بے اعتنائی برت کر ازخود کلامِ الٰہی وسنتِ نبوی میں غور وفکر کیا،نتیجۃً وہ اس راہ میں ایسے ٹھوکر کھائے کہ وہ یا تو کفر وزندقہ کی گہری کھائیوں میں جاگرے یا زیغ وضلالت کی عمیق وادیوں کی نذر ہوگئے،تحقیق کے نام پر جو نظریات انہوں نے پیش کئے وہ اسلام کے اصولوں سے میل نہیں کھاتے تھے؛ بلکہ ان سے متصادم تھے،ان کا طرزِ عمل ایسا تھا کہ ذخیرۂ اسلام کا اکثر حصہ ان کی تخریب کاریوں کی وجہ سے امت کی نگاہ میں ناقابلِ اعتماد ہوجاتا؛ لیکن ہر دور میں علمائے ربانیین کا قابلِ رشک طبقہ بھی موجود رہا ہے،جنہوں نے ان کی غلطی

اور کم نظری کو آشکارا کیا، حق و باطل اور کھرے کھوٹے میں تمیز کی اور اسلام کا شفاف آئینہ امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا، جس کی وجہ سے آج تک دینِ اسلام ہر قسم کی خلط ملط اور غتر بود سے محفوظ ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت اسی حال پر قائم رہے گا۔

حال ہی میں چند دہوں قبل اسی طرح کا ایک فتنہ وجود پذیر ہوا، جس کے بانی جناب جاوید احمد غامدی ہیں، محترم کے طرزِ تکلم کی دلکشی اور تحریر کی شگفتگی کے پیچ وخم میں عصری تعلیم یافتہ طبقہ اور روشن خیال افراد ایسے الجھتے جارہے ہیں کہ وہ جناب کی ہر بات کو منزل من اللہ سمجھ کر قبول کرتے جارہے ہیں، جناب نے بھی اپنے پیش رووں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے قرآن وحدیث میں اپنے ذہن ودماغ کے بل بوتے پر اجتہاد کیا، اور ایسے گل کھلائے کہ چودہ سوسال سے لے کر اب تک کے تسلیم شدہ امور بھی ان کی زد میں آ گئے اور بعض نظریات تو انتہائی مضحکہ خیز ہیں، اس موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بہت ہی موزوں اور مناسب نظر آتا ہے:

> یقیناً اللہ علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ اس کو بندوں کے سینوں سے نکال لے؛ لیکن علماء کے اٹھ جانے سے علم بھی قبض ہوتا چلا جائے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا، تو لوگ جاہلوں کو مقتدا بنالیں گے، پھر وہ ان سے مسئلہ پوچھیں گے اور یہ جہالت کے باوجود فتوی دیں گے، چنانچہ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۱۰۰)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی ہے:

> اس علم (دین) کو اٹھانے والے (یعنی اپنے سینوں میں محفوظ رکھنے

والے) خلف (یعنی سلف صالحین کے جانشیں، جو) عادل (یعنی حق بیان کرنے اور انصاف کرنے میں اپنوں سے رعایت اور دشمنوں پر ظلم نہ کرنے والے) ہوں گے، وہ اس (علم) سے غلو کرنے (یعنی حد سے بڑھنے) والوں کی تحریف (وتبدیلی) کو اور باطل (وجھوٹے) لوگوں کی غلط نسبت (یعنی کسی پر یا کسی کے نام جھوٹی بات پھیلانے) کو اور جاہل (غیر عالم) لوگوں کی (غلط) تاویلات (یعنی اصل مطلب، تفسیر وتشریح سے ہٹا دینے) کو دور کریں گے۔ (السنن الکبری للبیہقی ، حدیث نمبر :۲۰۹۱۱)

اس پیشین گوئی کے مطابق علمائے حق نے غامدی صاحب کے نظریات کا تعاقب کیا، ان کے افکار کا جائزہ لے کر ان کی بھرپور تردید کی، اور کئی مفصل ومختصر کتابیں اور مضامین لکھے ، جن میں ان کی غلطیوں کی نشاندہی کی ، ان کے استدلالات کا غلط ہونا ثابت کیا، ان میں ڈاکٹر محمد قاسم صاحب کی غامدی نظریات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ ، مفتی محمد وسیم اختر مدنی کی غامدیت، ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کی تحفۂ غامدی، پروفیسر محمد رفیق چودھری صاحب کی غامدی مذہب کیا ہے؟ اور عبداللہ معتصم صاحب کی فتنۂ غامدیت اور فتنۂ قادیانیت خاص طور پر قابلِ مطالعہ ہیں، اس کے علاوہ ماہنامہ الشریعہ میں مولانا زاہد الراشدی کے اداریے اور مضامین ، ماہنامہ البینات کراچی کے شمارے، محدث کے جنوری وفروری ۲۰۰۸ء کے شمارے بھی لائق ِمطالعہ ہیں۔

اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی علمی بے راہ روی کے اسباب اور جاوید احمد غامدی کے بعض نظریات کا جائزہ ہے، جو عزیز گرامی قدر مولانا مفتی محمد مکرم محی الدین صاحب حسامی قاسمی کی

تصنیف ہے، آپ نے غامدی صاحب کے چند باطل خیالات پر معروضی انداز میں مختصر نقد وتبصرہ کیا ہے، ان کے دو غلط نقطۂ نظر کہ آن لائن نماز باجماعت ہوسکتی ہے اور جمعہ کے منبر ومحراب حکمرانوں کے لئے ہیں، ان کا تحقیقی اور قدرے تفصیلی رد لکھا ہے، آغازِ رسالہ میں ان دس اسباب کو بھی قلمبند کیا ہے جو عموماً اس طرح کے گمراہ لوگوں میں پائے جاتے ہیں، خاص بات یہ ہے کہ موصوف نے تنقید میں دامنِ اعتدال کو چھوڑا نہیں ہے، وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہیں اور مبارک بادی کے مستحق ہیں۔

میں موصوف کو ان کے طالبِ علمی کے زمانہ سے ہی جانتا ہوں، آپ تحقیقی ذوق رکھتے ہیں، جو لکھتے ہیں اس پر تحقیقی رنگ غالب ہوتا ہے، آپ کی تحریرات اکابر واسلاف کی آئینہ دار ہوا کرتی ہیں، ان کے نظر وفکر سے ہم آہنگی آپ کی تحریروں کا امتیاز ہے، بحمد اللہ کئی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں اور اہلِ علم سے دادِ تحسین حاصل کرچکی ہیں، اسی کے ساتھ آپ قابل ترین مدرس ہیں، طلبہ کو مطمئن کرنے کے گر سے خوب واقف ہیں، آپ کی فقہ وفتاوی پر گہری نظر ہے، صفا بیت المال کے مفتی ہیں، اب تک کئی تحقیقی اور مفصل فتاوے آپ کے قلم سے نکل چکے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے نفع کو عام وتام فرمائے، امت کو غامدی فتنہ سے بصیرت کے ساتھ بچنے کی توفیق عطا فرمائے، موصوف کی محنت جانفشانی کو قبول فرمائے، اور کتاب کو مؤلف اور ان کے معاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے۔

(حضرت مولانا) محمد جمال الدین (صاحب قاسمی دامت برکاتہم)

۲۶/ ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ

مطابق: ۱۷/ اگست ۲۰۲۰ء

کلماتِ تحسین

حضرت مولانا محمد رحیم الدین انصاری صاحب زید مجدہم

ناظم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد و صدر اردو اکیڈمی تلنگانہ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم اما بعد!

علم و عقل دو ایسے جوہر ہیں جس کی بنا پر انسان کو باقی مخلوقات پر فضیلت و بزرگی حاصل ہے، فرشتوں کی جماعت پر بھی حضرت آدم کی برتری کو اسی واسطے سے ثابت کیا گیا ہے۔(البقرۃ:۳۱تا۳۳)

قرآن مجید صاف طور پر کہتا ہے:

ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی ہے، ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سواری دی ہے، ان کو پاکیزہ و نفیس روزی عطا کی ہے اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت سے نوازا ہے۔(الاسراء:۷۰)

مفسرینِ کرام فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف جہتوں سے دنیا کی تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے، جسمانی حسن و جمال، بولنے کی صلاحیت، بھلائی اور برائی کے درمیان تمیز کرنے کا شعور؛ لیکن سب سے بڑی فضیلت عقل کے ذریعہ عطا کی گئی؛ کیوں کہ انسان کی عقل ہی کا کرشمہ ہے کہ وہ علم و تحقیق کے راستہ میں آگے بڑھتا رہتا ہے اور اسی ہتھیار سے فضا کی بلندیوں اور سمندر کی اتھاہ گہرائیوں کو مسخر کئے ہوئے ہے، علامہ قرطبیؒ نے خوب لکھا ہے کہ شریعت کی حیثیت سورج کی ہے اور عقل کی حیثیت آنکھ کی ہے، جب وہ عقل کی آنکھیں کھولتا ہے تو ہدایت کا سورج اسے نظر آتا ہے اور جب عقل کی آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اس کے سامنے

گمراہی کی تاریکیاں ہوتی ہیں اور وہ اسی میں بھٹکتا رہتا ہے۔(آسان تفسیر قرآن مجید)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علم وعقل جب بے راہ روی کا شکار ہوجائیں، وحی سے اپنے رشتے کو منقطع کرلیں اور سلفِ صالحین کی تحقیقات کو بے اعتبار ٹھہرائیں تو اس کے نتیجے میں ایک متوازی شریعت اور ایک خودساختہ نظام زندگی وجود میں آتا ہے، جس میں خیر وشر، منکر ومعروف اور حلال وحرام کی ساری تعبیرات بدلی ہوئی نظر آتی ہیں اور انسان خدا پرست ہونے کے بجائے ہوا پرست ہوجاتا ہے اور علم سے نسبت رکھتے ہوئے بھی گمراہی کا شکار ہوجاتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

پھر کیا تم نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنا خدا اپنے نفسانی خواہش کو بنالیا ہے اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گمراہی میں ڈال دیا۔ اور اس کے کان اور آنکھ پر مہر لگادی، اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا؟ اب اللہ کے بعد کون ہے جو اسے راستے پر لائے؟ کیا پھر بھی تم لوگ سبق نہیں لیتے (الجاثیۃ:۲۳)

موجودہ زمانے میں علمِ صحیح اور عقلِ سلیم سے محرومی کی بنا پر بعض دانشوروں کی جانب سے علمی وفکری گمراہی کے نمونے آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں، ان کے باطل نظریات کی وجہ سے امت مسلمہ کا ایک طبقہ گمراہی کی نذر ہورہا ہے، بعض لوگ انتشار وبے یقینی کا شکار ہورہے ہیں اور ان کے ایمان ویقین کی بنیادیں متزلزل ہورہی ہیں۔

جناب جاوید احمد غامدی بھی دجل وفریب اور فکری گمراہی میں بہت آگے بڑھ چکے ہیں، مغربی دنیا میں بیٹھ کر جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے اپنی گمراہ کن فکر کا پرچار کرتے ہیں، حیرت کی بات یہ ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی ان کی فکر کو قبول کررہے

ہیں، ایسے حالات میں ضرورت تھی کہ ان کا علمی تعاقب کیا جائے اور ان کے لٹریچر کا جائزہ لے کر ان کی گمراہی کو واضح کیا جائے، نیز عمومی طور پر علمی وفکری بے راہ روی کے اسباب پر بھی بحث کی جائے؛ تا کہ اس طرح کے فتنوں سے عام لوگوں کو بھی بصیرت کے ساتھ آگاہی ہوجائے اور ان کا ان فتنوں سے بچنا آسان ہوجائے۔

مجھے بڑی مسرت ہے کہ ہمارے جامعہ کے ایک فاضل اور درجۂ علیا کے مدرس مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی نے اس موضوع پر اپنا قلم اٹھایا ہے اور ان کے فکری انحراف کے سارے گوشوں پر اختصار وجامعیت کے ساتھ گفتگو کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، موصوف کی ماشاء اللہ اس سے پہلے بھی کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، اور اہلِ علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

موجودہ زمانے میں جس تیزی کے ساتھ خاص طور پر مذہبی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق گھٹتا جارہا ہے، اس تناظر میں اس قسم کے مختصر رسالے بہت مفید معلوم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس رسالے کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور مؤلف موصوف کو مزید علمی خدمات کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(حضرت مولانا) محمد رحیم الدین انصاری (صاحب زید مجدہم)

۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ

تقدیم

ترجمانِ اہلِ سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب دامت برکاتہم

ناظم ادارۂ اشرف العلوم وخلیفہ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پرنام بٹ مدظلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ وبہ نستعین

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بعد اُمت کی جن نالائقیوں کا سب سے زیادہ اندیشہ تھا ان میں ایک اعجاب کل ذی رأی برأیہ بھی ہے، ایک روایت میں اس کو مہلکات میں شمار فرمایا گیا ہے، مجھے شروع شروع میں اس خطرے اور مہلکے کا زیادہ اندازہ نہ ہوا تھا، لیکن جب دین کی خدمات میں لگنے اور ان خدمتوں کے لئے علم وعلماء کو پڑھنے سمجھنے کا موقع ملا تو اندازہ ہوا کہ دین کے معاملے میں خود رائی وخوش فہمی سے بڑا واقعی کوئی خطرہ اور مہلکہ نہیں ہے، بالخصوص اصحابِ علم ورائے کے لئے، بعض شارحین نے اسے بجا طور پر **فتنۃ العلماء** قرار دیا ہے، یعنی اپنی آراء پر اس قدر اعتماد وخوش فہمی کہ انہیں نصوص کی طرح ناقابلِ بحث ورجوع سمجھ لیا جائے۔

ملا علی قاریؒ وغیرہ نے صراحت فرمائی ہے کہ اپنی آراء پر عُجب اور ضد مذموم ہے اگر وہ کتاب وسنت اور اجماعِ اُمت سے ہٹ کر اور کم زور دلائل پر قیاس کر کے مرتب کی گئی ہوں نیز ان میں صحابۂ کرام وتابعین یعنی فقہاء ومحدثین کی موافقت وتائید کو ضروری نہ سمجھا گیا ہو۔

جب میں نے اچھے اچھے ذی استعداد اور قابل لوگوں کی فکری یا فقہی گم راہیوں کے اسباب کو تلاش کیا کہ ایسے قابل لوگ اتنی موٹی اور بدیہی الثبوت باتوں میں حق کا سِرا کیوں نہیں پا سکے تو یہی ایک تشخیصِ نبوی سامنے آتی رہی "**اعجاب کل ذی رأی برأیہ**" یعنی بات نادانوں اور جاہلوں کی نہیں ہے، اصحابِ علم وفہم کی ہے کہ یہ لوگ بھی اگر صحابہ و

تابعین اور ائمہ مجتہدین پر اعتماد کے بجائے اپنی آراء اور حاصلِ مطالعہ کو دین قرار دینے لگیں تو خود بھی بھٹکیں گے اور امت مسلمہ کے بھٹکنے کے ذمہ دار بھی بنیں گے، واقعہ یہ ہے کہ اب تک جتنے گم راہ نظریات سامنے آئے ہیں اور آتے جا رہے ہیں اُن گم راہیوں کا بنیادی سبب نصوص کی تشریح میں خیر القرون کے اہل علم سے مستغنی ہو کر اپنی عقل وفہم کو فیصل مان لینا ہی ہے۔

بعض لوگ احادیث کا انکار کرتے ہیں، بعض احادیث کو مان کر بھی انہیں واجب الاتباع نہیں مانتے، بعض کو صحابۂ کرام کی حجیت سے اختلاف ہے، بعض کو محدثین سے شکایت ہے، بعض فقہاءِ مجتہدین سے اپنی ناقص و فاسد معلومات کا موازنہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، بعض سندوں کے بندے ہیں تو ارث وتعاملِ سلف کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتے، بعض ظاہرِ الفاظ کی جکڑ سے نکل نہیں پاتے تو بعض لغت کا سہارا لے کر معانی کی پیچیدگیوں میں سرگرداں ہیں، بعض کو سائنسی انکشافات اور فلاسفہ کے نظریات کو نصوص کا مصداق بنانے کا شوق ہے اور بعض احمقوں کو تو یہاں تک دیکھا جا رہا ہے کہ وہ ہر جاہل گنوار کو علماء سے کاٹ کے قرآن و حدیث سے جوڑنے کو امت کی سب سے بڑی خیر خواہی سمجھ رہے ہیں، حالاں کہ یہ سب اور ان جیسے تمام خیالات سراسر گم راہی ہیں، جب کہ ان کے مقابلے میں سلفِ صالحین، صحابہ و تابعین پر اعتماد ہی فہمِ دین کا صحیح راستہ اور ہر خطرۂ گم راہی سے سالم ومحفوظ طریقہ ہے۔

جاوید غامدی صاحب کے شخصی احوال سے ہمیں کوئی مطلب نہیں، نظریاتی طور پر وہ بھی اسی خطرۂ اعجاب علي الرأی میں مبتلا ہو گئے ہیں، انہیں سلف اور صحابہ تو کیا قابلِ بھروسہ معلوم ہوتے اپنی فہم کے مقابلے میں احادیث شریفہ تک انہیں بے وزن اور نا قابلِ التفات محسوس ہوتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ کسی بھی مسئلے میں وہ پہلے اپنی رائے قائم کر لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ قرآن وحدیث اُن کی رائے کی ہم نوائی کریں، نہیں تو پھر وہ انتہائی چالاکی

اور خوب صورتی سے نصوص کا ہی انکار کر بیٹھتے ہیں، اس انکار پر چاہے کتنا ہی ملمع چڑھایا جائے اور استدلال کے ڈھیر لگادئے جائیں اور لفاظی کا رنگ بھرا جائے بات تو انجام کار نص کے مقابلے میں رائے کی ترجیح ہی ہے، صحابہ وسلف تو بے چارے پہلے ہی ھم رجال کے ہتّے چڑھے ہوئے ہیں تو وہ کیا ان لوگوں کے خاطر شاطر میں آسکتے ہیں؟

ابھی قریب زمانے میں موصوف نے ''آن لائن نماز'' کا شوشہ چھوڑا، اس لئے کہ ان کا مشن ہی جمہور کے مقابلے میں اپنا ایک امتیاز بنانا اور دین کے بنیادی علم سے محروم جدید تعلیم یافتہ اور مرعوبِ مغرب طبقات کو خوش کرتے رہنا ہے، اس شوشے سے بہت لوگ کنفیوز ہوئے اور بہت سوں نے اپنی نمازیں غارت کیں۔

ہمارے عزیز مفتی محمد مکرم محی الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ماشاء اللہ صاحبِ قلم عالم ہیں، متعدد کتابیں ان کے قلم سے منصۂ شہود پر آچکی ہیں، کسی فکرمند دوست کے استفتاء پر انہوں نے اس مسئلے کا فقہی جائزہ تو لیا ہی ساتھ میں ان کے مزید نظریات کی چھان بین کرتے ہوئے حقائقِ گم راہی کو واضح کیا، مزید یہ کہ گم راہی کے چند بنیادی اسباب پر بھی بسط و تفصیل اور برہان ودلیل کے ساتھ کلام کیا ہے جو مزید نفع کا سبب ہے۔

حق تعالیٰ ان کی اس خدمت کو شرفِ قبول عطا فرمائے، امت کے حق میں نافع بنائے اور خود ان گم کردہ راہ بندوں کو جو مہلتِ حیات میں ہیں رجوع الی الحق کی توفیق نصیب فرمائے۔

آمین

والسلام علی النبی الکریم

(حضرت مولانا) محمد عبدالقوی غفرلہٗ (صاحب دامت برکاتہم)

یکم ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ

پیشِ لفظ

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی اشتیاق احمد صاحب قاسمی زید مجدہ العالی

استاذ فقہ وتفسیر دارالعلوم دیوبند و مصنف طرازی شرح سراجی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلي علی رسولہ الکریم، امابعد

اسلام آخری دین ہے، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی، اسلام غالب ہونے کے لیے آیا ہے، ہمیشہ سارے ادیان پر اس کا غلبہ رہے گا، دشمنانِ اسلام یہود، نصاریٰ اور مشرکین چاہے کتنی ہی کوشش کرلیں وہ تھوڑے دن کے لیے مسلمان کو مغلوب تو کر سکتے ہیں؛ مگر اسلام کو نہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝ (توبہ: ۳۳)

ترجمہ: وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا؛ تاکہ اس کو سارے دھرموں پر غلبہ دے خواہ مشرکوں کو (کیسا ہی) ناگوار ہو۔

اسلام اللہ تعالیٰ کا نور ہے، جس طرح روشنی جلتے ہی تاریکی دور ہوجاتی ہے، اسی طرح دین اسلام کے سامنے سارے ادیان و مذاہب سپر انداز ہو جاتے ہیں، اور یہ کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں، عقل، دلیل، اور فطرت سے ہم آہنگی میں اسلام کا امتیاز اور غلبہ ہمیشہ مسلم رہا ہے اور رہے گا۔ (فوائد شبیری، تفسیر ماجدی)۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ

أُمَّتِي ظَاهِرِينَ حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ ،(صحيح بخاري حديث نمبر ٧٣١١)۔

ترجمہ: میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ (حق پر) غالب رہے گی؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آجائے گا اور وہ غالب رہے گی۔

اس حدیث کی عبارۃ النص سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام اور اس کے ضمن میں مسلمانوں کو غالب رکھیں گے اور اشارۃ النص سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کو مغلوب کرنے کی تدبیریں ہوتی رہیں گی، غیروں کی طرف سے بھی اور اپنوں کی طرف سے بھی، دانا دشمن اور نادان دوستوں کے فتنوں سے اسلام اور مسلمانوں کو مفر نہیں، یہود، نصاریٰ، مشرکین، منافقین اور شیعے دانا دشمن ہیں اور نادان دوستوں کی بھی کمی نہیں؛ منکرینِ حدیث (اہلِ قرآن) منکرینِ فقہ (اہلِ حدیث) رضا خانی اور مودودی حضرات اس کی مثالیں ہیں۔

جناب جاوید احمد غامدی (ولادت: ۱۹۵۱ء) ساہیوال، پاکستان کی شخصیت "نادان دوست" کی اعلیٰ مثال ہے (اللہ تعالیٰ موصوف کو ہدایت دے کر سنورنے کی توفیق دیں اور کلمہ کی موت نصیب فرمائیں!) موصوف کی شخصیت کا متاثر کن پہلو یہ ہے کہ وہ ٹھنڈے انداز میں بات کرتے ہیں، استدلال میں مشاہدات، تجربیات اور حدسیات پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں، متواتراتِ شرعیہ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، بلا جھجک ان کو بھی چھوڑ دیتے ہیں، خطاب میں "مقدماتِ مقبولہ اور مظنونہ" سے کام چلا لیتے ہیں، لیکن اوّلیات وقطعیات سے صرفِ نظر کر لیتے ہیں، جرأتِ بے جا میں عجیب عجیب گل کھلاتے اور حماقتیں کر جاتے ہیں؛ لیکن ترتیب اور اسلوب ایسا اپناتے ہیں کہ غیر علماء سامعین متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، دلچسپ بات یہ ہے کہ موصوف کفر بھی بڑی سادگی سے مانتے اور منوانے کی کوشش

کرتے ہیں، دجّال صفت شخصیت سے سادہ لوح عام آدمی متاثر ہونے لگتا ہے، ان کے عقائد ونظریات کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ کس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؛ کہیں تو منکرِ حدیث نظر آتے ہیں؛ کہیں منکرِ فقہ اور کہیں مودودی؛ ان کو دیکھ کر ہندوستان کے بادشاہ اکبر خوب یاد آنے لگتے ہیں، اگر غامدی صاحب کے عقائد اور ان کے نظریات کو جمع کر کے دیکھا جائے تو اکبر کے بنائے ہوئے" دینِ الٰہی" (دینِ اکبری) سے خوب مشابہت ہوگی، اس کے یہاں بھی داڑھی کا مذاق ہوتا تھا، یہ بھی سنیت کا انکار کرتے ہیں، وہ بھی مرتد کی سزا کو نہیں مانتا تھا اور یہ بھی نہیں مانتے، وہ بھی زکوٰۃ کا منکر تھا؛ اِنہوں نے بھی نصابِ زکوٰۃ میں تبدیلی کو تسلیم کیا، وہ بھی سور کو حلال کہتا تھا، یہ بھی سور کے گوشت کے علاوہ ہڈی، بال اور چمڑے کو حلال اور پاک کہتے ہیں، اس نے بھی دین کے مآخذ ومصادر میں ہندو، پارسی اور عیسائیوں کی کتابوں کو شامل کیا تھا، اِنہوں نے بھی ''دینِ فطرت کے حقائق''، ''سنتِ ابراہیمی'' اور '' قدیم صحائف'' کے خوب صورت عناوین کو شامل کرلیا ہے، اُس کے یہاں بھی غیر مسلم مسلمانوں کا وارث ہوتا تھا انہوں نے بھی اس کو تسلیم کرلیا ہے، غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ اُس کے یہاں بھی جائز تھا اِنہوں نے بھی جائز کہہ دیا؛ اُس کے یہاں بھی ہرکس وناکس اجتہاد کا اہل تھا یہ بھی یہی کہتے ہیں، اکبر نے بھی محض ظن وتخمین سے عقائد بنائے تھے؛ یہ بھی عقائد اور عبادات میں اجتہاد کرتے ہیں۔

اِن کے یہاں بہت سے مسائل ایسے ہیں جن پر ان کے استاذ جناب امین احسن اصلاحی بھی اگر زندہ ہوتے تو شرمندہ ہوتے، اِنہوں نے مودودی صاحب کو بھی پیچھے چھوڑ دیا، اِن کے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوچکی ہے، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آسمان سے اترنے والی متواتر روایات کا انکار کرتے ہیں، حضرت مہدیؒ کے ظہور کا

بھی انکار کرتے ہیں جب کہ یہ بھی متواتر روایات سے ثابت ہے،قرآنِ پاک کی قراءاتِ سبعہ(وجوہِ سبعہ) کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ سب عجم کا فتنہ ہیں جبکہ یہ متواتر قرأتیں ہیں، ہر آیت کی وجوہِ قراءات سندوں کے ساتھ کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں،اِن کے یہاں عورت مردوں کی امامت کرسکتی ہے، یاجوج وماجوج اور دجّال سے مغربی اقوام کومراد لیتے ہیں، مسلم اور غیر مسلم مرد عورت کی گواہی کو برابر مانتے ہیں اور یہود ونصاریٰ کوخوش کرنے کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کے لئے نبیٔ آخرالزّماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں،اس کے بغیر بھی نجات پا جائیں گے،جب کہ یہ باتیں قرآن مجید کے بالکل خلاف ہیں اور مسجدِ اقصیٰ پر صرف یہودیوں کا حق بتاتے ہیں،انہوں نے فقہِ اسلامی کی مضبوط و مستحکم عمارت کوبھی مسمار کرنے کی پوری کوشش کی اور فرمایا:"فقہ فی الدین کا عمل امت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا الخ"،انہوں نے اجماعِ امت کو بدعت سے تعبیر کیا ہے،مودودی صاحب کی طرح تصوف کوگمراہی اور اسلام کا متوازی مذہب قرار دیا۔

ان ساری باتوں کو دیکھتے ہوئے ہر آدمی سمجھ سکتا ہے موصوف نے اپنی عقل کے گھوڑے کو بے لگام دوڑایا ہے،موجودہ دور میں ہندوستان میں مجھے ان کی طرح ایک اور شخصیت نظر آتی ہے،جن کے ظاہر کو دیکھ کر ہر ایک نیک صالح صوفی اور بزرگ سمجھے گا،مگر باطن میں وہ غامدی صاحب کے حقیقی بھائی دِکھتے ہیں،وہ ہیں جناب عنایت اللہ سبحانی صاحب(اعظم گڑھ) جنہوں نے کھل کر"رجم"کا انکار کیا اور وہ اپنی تصانیف اور نگارشات میں غامدی صاحب کے قدم بقدم یا اس کے برعکس نظر آتے ہیں،موجودہ فقہ اسلامی کو بالکل لغو قرار دیتے ہیں؛غرض یہ کہ یہ تو اسلام کے نادان دوست ہیں، ان کے عقائد قرآن وسنت ِنبوی سے متصادم؛اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف اور تواتر کے انکار پر مبنی ہیں؛اس لیے

دارالعلوم دیوبند نے ان کو صرف خارجِ اہل السنۃ والجماعۃ نہیں بلکہ خارجِ اسلام قرار دیا ہے ،جس شخص کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہ ہو اسکے عقائد ونظریات پر بحث کرنا بھی فضول معلوم ہوتا ہے۔

میرے عزیز القدر دوست جناب مولانا مفتی محمد مکرم محی الدین قاسمی زید مجدہٗ (استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدآباد) نے کئی مہینے پہلے تحریر بھیجی جس میں انہوں نے غامدی صاحب کے ”آن لائن نماز باجماعت“ کا جائزہ لیا تھا، میں نے اس کو وقت کا ضیاع سمجھ کر دیکھا بھی نہیں اوران سے کہا: کیا اور کوئی کام نہیں ہے کہ اس میں لگ گئے؟ انہوں نے مجھے سمجھایا کہ ”ان کی ویڈیو سے بہت سے لوگ تشویش اور گمراہی کا شکار ہورہے ہیں، اوران کے اندازِ بیان سے متاثر ہورہے ہیں، اس پسِ منظر میں والد صاحب دامت برکاتہم کے مشورے سے قلم اٹھایا تھا، اگر آپ منع کریں تو تحریر ضائع کردوں!“ جب ان کی ویڈیو اور لوگوں نے بھی مجھے بھیجی تب مجھے سمجھ میں آیا کہ اچھے مقصد کے تحت تحریر لکھی گئی ہے، میں نے کہا کہ پھر ان کے افکار کا ایک جائزہ لے کر ایک کتابچہ تیار کریں! اس کے بعد انہوں نے مجھے یہ تحریر بھیجی ،اس میں سب سے پہلے اسبابِ گمراہی کو لکھا، مثلاً بصیرت سے محرومی، بے لگام اجتہاد، سلف بیزاری، باطل پرستی اور خود رائی وغیرہ قاری کو احساس ہوگا کہ یہ ساری خرابیاں غامدی صاحب میں پائی جاتی ہیں، غامدی صاحب احکام کے استنباط میں نہ تو علت و حکمت میں فرق سمجھتے ہیں اور نہ سبب ،شرط اور علامت میں فرق جانتے ہیں، تخریجِ مناط اور استنباط کے اصول (مثلاً دوران، طرد، سَبر و تقسیم وغیرہ) کو کیا جانیں؟ اِنہی نادانیوں کی وجہ سے ان سے غلطیاں ہوتی چلی جاتی ہیں، اوروہ ضلّوا و أضلّوا (گمراہ ہوکر گمراہ کرنے) کا ذریعہ بن رہے ہیں، موصوف فاضل نے ان کے بعض عقائد اور بہت سے نظریات کو نقل

کرکے ان کی غلطیوں کو واضح کیا ہے اور طوالت کے بجائے اختصار سے کام لیا ہے؛ تا کہ آج کی کثیر مصروفیات والی زندگی میں اس سے آسانی سے استفادہ کیا جا سکے، ہر گرفت بجا اور نقد برمحل ہے، قرآن وسنت اور فقہائے امت کی عبارتوں سے استدلال و استشہاد نے کتابچہ کی قیمت دو چند کر دی ہے، ان شاء اللہ موصوف کی یہ کوشش بھی سابقہ نگارشات کی طرح، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قارئین کو پسند آئے گی، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمات کی توفیقِ ارزانی بخشیں

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ أنیب!

راقم حروف

(حضرت مولانا) اشتیاق احمد قاسمی (صاحب زید مجدہم)

مدرس دارالعلوم دیوبند

۲۳/۱۱/۱۴۴۱ھ

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صاحبِ علم وفضل بزرگ محترم جناب محمد حبیب الدین صاحب سابق لیکچرار کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی (حال مقیم امریکہ) کی فرمائش پر بندے نے جناب جاوید احمد غامدی کی آن لائن نماز کے نظریہ پر ایک رسالہ ترتیب دیا تھا، مختصر سا رسالہ تھا، اس کو ملاحظہ کرنے کے لیے واٹس ایپ کے ذریعہ اپنے استاذ ڈاکٹر مفتی اشتیاق احمد قاسمی صاحب مدظلہ استاذ دارالعلوم دیوبند اور اپنے ایک سابق رفیقِ تدریس مفتی امانت علی قاسمی صاحب دارالعلوم دیوبند وقف کی خدمت میں بھیجا تھا، دونوں حضرات نے رسالہ کی تحسین فرمائی، استاد گرامیٔ قدر مفتی اشتیاق احمد قاسمی زید مجدہم نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ جب اس موضوع پر لکھنا شروع ہی کر دیا ہے تو قدرے تفصیل سے کام ہونا چاہیے تاکہ غامدی مذہب کے خدوخال لوگوں کے سامنے وضاحت سے آجائیں، استاد محترم کی یہ ہدایت بہت قیمتی معلوم ہوئی، لاک ڈاؤن کا زمانہ تھا، اور فرصت بھی میسر تھی، بندے نے اس کام کے لیے ہمت باندھ لی، لیپ ٹاپ کئی ماہ سے زیرِ استعمال نہ ہونے کی وجہ سے اور کسی خرابی کی وجہ سے کارکردنہ تھا، مولانا عبدالرقیب صاحب زید مجدہ (صفا بیت المال) نے بروقت تعاون پیش کیا اور اپنی فنی مہارت سے اس کو کارکرد بنادیا، واقعہ یہ ہے کہ اگر آں موصوف کا یہ احسان نہ ہوتا تو علمی کام انجام دینا بڑا مشکل تھا، فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

کام کا آغاز کیا تو بحث کا سِرا کئی دنوں تک ہاتھ نہیں لگا، صرف ضروری عربی اردو مواد کو لیپ ٹاپ اور کتابوں کی مدد سے کاپی پر منتقل کرتا رہا، اِس دوران رمضان شروع ہوگیا، پندرہ دن تراویح میں قرآن پاک سنانے کی مصروفیت وسعادت رہی، اس کے بعد اللہ

تعالیٰ سے استعانت ودعا کر کے لکھنا شروع کیا، اللہ تبارک وتعالی کا بے انتہا احسان ہے کہ اصولی انداز سے گفتگو کا ذہن تیار ہوا اور علمی بے راہ روی کے دس اسباب سپر دِ قرطاس ہوئے، بعد ازاں ان کی روشنی میں جاوید احمد غامدی کی دو بنیادی کتابیں میزان اور برہان سے علمی بے راہ روی کے نمونے پیش کیے گئے، ان کتابوں میں جو تعارضات وتناقضات اور بے لگام اجتہاد کے مظاہر موجود ہیں ان کو آشکارا کیا گیا، ان کے بعض فکری مغالطوں پر بحث کی گئی، ان کے نظریات کی بنا پر ہندو پاک کے معتبر دارالافتاء کی جانب سے ان کی ذات پر کیا فتوے جاری ہوئے ان کو منسلک کر دیا گیا، پھر جمعہ کے منبر ومحراب کے تعلق سے ان کی من گھڑت سوچ کہ وہ علماء کے لیےنہیں حکمرانوں کے لئے ہے،اس کا بھرپور جائزہ لیا گیا،"آن لائن نماز" والا رسالہ بھی اس کتاب کا جزء بنالیا گیا، جمعہ کے منبر ومحراب والے مسئلہ کو اس لئے بھی زیرِ بحث لانا ضروری تھا کہ جاوید احمد غامدی نے آن لائن نماز باجماعت کا جواز ثابت کرنے کے لئے اس کا بھی سہارا لیا ہے،موصوف کے خیال میں جمعہ کا منبر ومحراب صرف حکمرانوں کے لئے ہے اور لاک ڈاؤن کے حالات میں مساجد چوں کہ بند پڑی ہیں،اس لئے مسلم ریاست کا حکمرانِ اعلی ایوانِ صدر سے آن لائن جمعہ کی امامت کرے، باوجود اپنی نالائقیوں کے اللہ پاک نے مواد اکٹھا کرنے سے لے کر کتاب ترتیب دینے تک محض مہینہ بھر میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچادیا،تحریر کا یہ سارا کام رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں میں انجام پایا ہے،اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو قبول ونافع فرمائے۔

جاوید احمد غامدی بنیادی طور پر ایک صاحبِ دماغ آدمی ہیں،اردو ادب اور اسلوب وبیان کے جادوگر ہیں، اپنے باطل نظریہ کو زبان وتحریر سے منوانے کا بھی ہنر رکھتے ہیں،عصری تعلیم یافتہ طبقہ،عوام کے علاوہ علماء کی ایک جماعت بھی ان کے نظریات سے متاثر

نظر آتی ہے، افسوس وعبرت اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اپنے اپنے دور میں باطل عقائد و نظریات کی سرکوبی کرنے والے علماء کی بعض نسلیں واولادیں بھی ان کا مسلک نہ صرف قبول کر چکی ہیں بلکہ اس کے داعی وفروغ کار بن چکی ہیں، شیخ الحدیث محقق العصر امام اہلسنت حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر کے پوتے عمار خان ناصر؛ جاوید احمد غامدی کی تنظیم" المورد" سے گہری وابستگی رکھتے ہیں، محدث العصر علامہ سید یوسف بنوری کے پڑنواسے حسن الیاس، جاوید احمد غامدی کے داماد اور خلیفہ بنے ہوئے ہیں، ایسے دسیوں کچے ذہنوں کے علماء ہیں جن کو جاوید احمد غامدی نے اپنے حلقۂ ارادت میں لے رکھا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نجات و حفاظت عطا فرمائے اور سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔

جاوید احمد غامدی فی الحال مغربی ممالک میں رہائش پذیر ہیں، اس قسم کی چیزوں کے لیے مغربی زمین شروع ہی سے سازگار رہی ہے، آسائش و آرام سے لے کر وسائل وذرائعِ ابلاغ کی جملہ سہولیات آں جناب کو میسر معلوم ہوتی ہیں، مغرب تو ایسے ہیروں کی سرپرستی اور خدمت گزاری کو اپنی سعادت سمجھتا ہے، ہر چند دن میں جاوید احمد غامدی کے نئے نظریات اور اسلام سے کھلواڑ کے مناظر سوشل میڈیا پر گردش کرتے رہتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی طاقت ان سے یہ کام منصوبہ بند طریقے سے کروا رہی ہے، تاکہ ایک طرف تو مسلمان عوام کے ایمان ویقین کی بنیادیں متزلزل ہوں، الحادو دہریت کے جراثیم ان میں پیوست ہوں اور دوسری طرف علمائے اسلام تبلیغ واشاعتِ دین کے اہم ترین فریضہ کو چھوڑ کر ان کے نظریات کی تردید میں اپنے آپ کو کھپا دیں، خیر دشمنانِ اسلام کی سازشیں بالآخر انہیں پر اُلٹیں گی، مگر اس دوران غامدی یورش کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا، علماء و متخصصین کی ایک جماعت کو ہمیشہ اس قسم کی ہنگامی آفتوں سے نمٹنے کے لیے تیار رہنا چاہیے، ابھی حال ہی

میں ”غامدی کی فکر پر ۲۲۳ اعتراضات کے جواب“ کے نام سے انٹرنیٹ پر ایک سیریز چل رہی ہے تادمِ تحریر اس کے سات حصے آچکے ہیں جو کم وبیش آٹھ دس گھنٹوں پر مشتمل ہے، جاوید احمد غامدی نے عالمِ اسلام کے ان مشکل ترین حالات میں ایک اور قیمتی سوغات امت کو دی ہے، امت کے بصیرت مند علماء کو اس سلسلہ میں غور کر کے لائحہ عمل تیار کرنا چاہیے۔

الغرض بندے سے اِس وقت جو بن پڑا ہے اس کو پیش کر دیا ہے خاص طور پر کتاب کا ابتدائی حصہ ایسا ہے جس سے جاوید احمد غامدی، انجینئر محمد علی مرزا، ڈاکٹر راشد شاز اور محمد شیخ سمیت عصر حاضر اور زمانۂ ماضی کے جملہ گمراہ کن لیڈران کی علمی بے راہ روی کے اسباب و وجوہات معلوم ہوسکتی ہیں، اس موقع سے راقم الحروف اپنے جلیل القدر اور صاحبِ علم وفضل والد گرامی محترم جناب محمد مظہر محی الدین صاحب مدظلہ العالی کا تذکرہ کرنا باعثِ برکت وسعادت سمجھتا ہے جن کی سرپرستی میں، بندے کے جملہ علمی امور انجام پاتے ہیں، زیرِ نظر کتاب کا کام بھی آنجناب ہی کے زیرِ سایہ مکمل ہوا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

سید الملت استاذی ومرشدی عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد جمال الرحمٰن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم العالیہ سے نسبت وتعلق اور حضرتِ والا کی دعاؤں و توجہات کا فیض ہے کہ یہ کتاب بھی ترتیب پائی، خاص طور پر حصہ اول کی تحریر کے دوران یہ خیال رہتا تھا کہ ان شاء اللہ حضرتِ والا اس حقیر علمی خدمت پر ضرور خوش ہوں گے اور دعائیہ کلمات سے نوازیں گے، الحمدللہ! اب حضرتِ والا نے کتاب ملاحظہ فرما کر علم ومعرفت سے لبریز ایک وقیع تحریر عنایت فرمائی ہے، جس کی سطر سطر گویا فصل الخطاب کا مصداق اور لفظ لفظ سینکڑوں صفحات کا حاصل معلوم ہوتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ حضرتِ والا کے سایۂ عاطفت

کوصحت وسلامتی وعافیت کے ساتھ ہم سب کے سروں پر قائم ودائم فرمائے اور حضرتِ والا کے علوم ومعارف سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے......آمین

امین الفقہ حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی صدر مفتی جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد شروع ہی سے بندے کے تحریری کاموں پر اپنے علمی مشاغل کے باوجود نظرِ کرم فرماتے ہیں، اس سلسلہ میں کام کے طریقے اور مآخذ ومراجع اوران سے استفادہ کی جانب بھی مکمل رہنمائی فرماتے ہیں، اس تالیف پر بھی حضرت الاستاذ نے نگاہِ تحقیق فرمائی اور گراں قدر تحریر عطا فرمائی جو یقیناً کتاب کے اعتبار اور اس کی قدر وقیمت میں اضافہ کا باعث ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت والا کو اجرِ جزیل عطا فرمائے اور آپ کی علمی سرپرستی دائمی طور پر نصیب فرمائے۔

ناظمِ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد وصدر اردو اکیڈمی تلنگانہ مخدومِ گرامی حضرت مولانا محمد رحیم الدین انصاری صاحب زید مجدہم بندے کے ان بزرگوں میں سے ہیں جن کے احسانات؛ زمانۂ طالبِ علمی ہی سے بندے کے اوپر موجود ہیں، آنجناب فضلائے جامعہ کے علمی ودعوتی خدمات پر نہ صرف خوش ہوتے ہیں بلکہ اس جانب برابر متوجہ فرماتے رہتے ہیں، بندے کی اکثر تالیفات پر حضرت ناظم صاحب کے تائیدی وحوصلہ افزاء کلمات ثبت ہیں، اس تالیف پر بھی جامعہ کی علمی وادبی سرگرمیوں کے روحِ رواں نے اپنے کلمات عطا فرمائے ہیں، فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

ترجمانِ اہل سنت حضرتِ اقدس مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم نے بندے کی حقیر گذارش پر اس کتاب کے لیے ایک نہایت ہی قیمتی اور چشم کشا تحریر عنایت فرمائی ہے، کتاب کی اس قدر افزائی پر بندہ آنجناب کا بھی مشکور ہے۔

استاذِ گرامیٔ قدر حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی اشتیاق احمد صاحب مدّظلہم نے بندہ کی درخواست پر ایک بہت ہی جامع پیشِ لفظ تحریر فرمایا، استاذِ محترم نے نہ صرف نظریاتِ غامدی پر تبصرہ فرمایا بلکہ ماضی کے غامدی مزاج لیڈران کی بھی نشان دہی فرمائی، غامدی فتنے کو سمجھنے کے لیے اس سے یقیناً خوب مدد ملے گی، اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کو بھی اس شفقت ومہربانی اور رہنمائی پر خوب جزائے خیر عطا فرمائے۔

عزیزم مولوی حافظ عمیر احمد ہفتم عربی ایک سعادت منداور باصلاحیت طالبِ علم ہیں، عزیز گرامی نے اس لاک ڈاؤن کے زمانے میں نہایت دلچسپی اور جذبۂ خدمت سے کمپوزنگ کا صبر آزما کام انجام دیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ موصوف کو جملہ علمی اور ظاہری وباطنی ترقیات سے مالا مال فرمائے آمین، اس موقع سے بندہ اپنے جملہ جلیل القدر اساتذۂ کرام خاص طور پر تلمیذِ مدنیؒ حضرتِ اقدس مولانا محمد انصار صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد، استاذِ محترم مفتی محمد تجمل حسین صاحب قاسمی دامت برکاتہم استاذِ حدیث ونائب مفتی دارالعلوم حیدرآباد، سلطان القلم حضرت الاستاذ مولانا سید احمد ومیض صاحب ندوی نقشبندی دامت برکاتہم، ادیب العصر حضرت مولانا محمد نعمان الدین ندوی صاحب مدظلہم العالی، حضرت مولانا حافظ فیض اللہ قادری صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا اسحاق کمال صاحب قادری دامت برکاتہم، حضرت مولانا محمد موسیٰ خان صاحب ندوی مدظلہم، حضرت مولانا محمد مجیب الدین صاحب حسامی زیدمجدہم، اپنے بزرگ وکرم فرما حضرت مولانا غیاث احمد رشادی صاحب مدظلہم، اور خاندانی بزرگوں بطورِ خاص عمِّ بزرگوار ڈاکٹر محمد مدثر محی الدین صاحب حفظہ اللہ وبرادرم محترم

مفتی عبد الکریم طٰہٰ بن ڈاکٹر محمد طیب محی الدین صاحب زید مجدہم اور تمام رفقاء کا ممنون ہے، جن کی دعائیں توجہات ومحبتیں بندے کے لیے سرمایۂ سعادت وافتخار اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی برکت سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور صدقہ جاریہ فرمائے۔

آمین یارب العالمین وصلی اللہ علی النبی الکریم وآلہ وصحبہ اجمعین والحمدللہ رب العالمین۔

فقط محمد مسکرم محی الدین حسامی قاسمی عفی عنہ

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ م ۲۱ مئی ۲۰۲۰ء

تاریخِ نظرِ ثانی: ۱ رمحرم الحرام ۱۴۴۲ھ م ۲۱ اگسٹ ۲۰۲۰

حصۂ اوّل

علمی بے راہ روی کے اسباب

علمی بے راہ روی کے اسباب

موجودہ دور علم و تحقیق کا دور ہے، آئے دن نت نئے ایجادات سے دنیا روشناس ہو رہی ہے، سائنس اور طب کا میدان ہو کہ ریاضی وطبعیات کا، فلکیات کا معاملہ ہو کہ ارضیات کا؛ انسان بڑی تیز گامی سے اپنا سفرِ تحقیق جاری رکھے ہوئے ہے، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ انسان نہ ہی یکا یک اس مقام تک پہنچا ہے اور نہ ہی قواعد و قوانین سے ماوراء ہو کر اس نے یہ دریافتیں کی ہیں، بلکہ ہر زمانے میں پچھلوں نے اگلوں کی تحقیقات کو سرمۂ چشم بنایا اور اُنہیں کے وضع کردہ اصولوں پر تحقیق و ترقی کی عمارت قائم کی۔

یہ امر بڑا حیران کن ہے کہ کائناتی مسائل میں تو ہم اس طرزِ تحقیق کا خوب اعتبار کرتے ہیں اور اسے نہ صرف عین تقاضائے عقل قرار دیتے ہیں بلکہ اس کی مخالفت کرنے والے کو اور قدیم علمی ذخیرہ سے بے اعتنائی برتنے والے کو نادان و نالائق بھی گردانتے ہیں مگر دینی مسائل کی تحقیق میں پتہ نہیں ہم اس معیار کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں جبکہ سائنسی اور کائناتی مسائل کے برخلاف دینی معاملات میں عصرِ حاضر کی تحقیقات؛ متقدمین کے مزاج و مذاق سے جس قدر ہم آہنگ ہوتی ہیں ان میں صحت و اعتبار کا پہلو بھی زیادہ ہوتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: تم میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے (میرے زمانے والوں سے) قریب ہیں پھر وہ جو ان سے قریب ہیں۔
(بخاری: ۲۶۵۱ باب لایشھد علی شہادۃ جور اذا اشھد)

صورتحال یہ ہے کہ چودہ صدیوں کے بعد کوئی کوئی دانشورِ زمانہ کھڑا ہوتا ہے اور بڑی بے باکی سے سلف کی ساری تحقیقات پر اپنا قلم پھیر دیتا ہے، کسی قاعدے اور ضابطے کا پابند ہوئے بغیر اگلوں کی تمام تر علمی کاوشوں کو اپنی رائے کا تابعِ محض بنا ڈالتا ہے، جب

چاہتا ہے کسی امام اور عالم کی بات کو اپنی رائے کی تائید میں پیش کرتا ہے اور جب چاہتا ہے اس امام سمیت پوری امت کے اجماع کو تک ٹھکرا دیتا ہے؛ قرآن وسنت اور قولِ امام کی من مانی تشریح کرتا ہے اور دینِ اسلام کی علی الاعلان نامانوس اور اجنبی قسم کی تعبیر پیش کرتا ہے، اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ انسانوں کی ایک بھیڑ پھر بھی اس کو مل جاتی ہے اور اس کی باتوں کا ایسا اعتبار کرتی ہے گویا وحیٔ خداوندی ہے جو اس پر اتر رہی ہے، حضرت زین العابدین علی بن حسین بن علیؓ بن ابی طالب المتوفی ۹۵ سنہ ھ فرماتے ہیں: نامانوس اور مجہول قسم کی باتیں علم نہیں کہلاتیں، علم تو وہ ہوتا ہے جو (اہل علم کے درمیان) معروف وشناسا ہو اور ان کی زبانوں پر چڑھا ہوا ہو،

لیس من العلم ما لا یعرف انما العلم ما عرف وتواطأت علیه الالسن (تاریخ دمشق ۴۱/۳۷۶ ط: ۱۴۱۵ سنہ ھ)

امام مالکؒ المتوفی ۱۷۹ سنہ ھ نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: صاف سیدھے دین کو اختیار کرو بھول بھلیوں میں مت پڑو، ایسی باتوں کو قبول واختیار کرو جو معروف اور جانی پہچانی ہوں، اور غیر معروف اور نامانوس قسم کے نظریات کو ترک ورَد کردو نیز فرمایا: بدترین علم انوکھی اور عجیب وغریب قسم کی احادیث ہیں اور بہترین علم وہ احادیث وآثار ہیں جو ظاہر اور عیاں ہیں جن کو سب لوگ بیان کرتے ہیں (مواہب الجلیل ۱/۲۹ الطبع الثالثہ ۱۴۱۲ سنہ ھ - ۱۹۹۲ سنہ ء دار الفکر) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: جب (ایمان وعلم کا) نور سینے میں داخل ہوتا ہے تو سینہ کشادہ ہو جاتا ہے اور اس میں ٹھنڈک وانشراح کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اس کے نتیجے میں بندہ دھوکہ کے گھر (دنیا) سے کنارہ کش ہو جاتا ہے، آخرت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری میں لگ جاتا ہے (مستدرک

حاکم: ۷۸۶۳- کتاب الرقاق) چودہ سوسالہ دین کی مقبولِ عام تعبیر کے بجائے خود ساختہ توضیح وتشریح کرنا اور اس پر قرآنی آیات کو منطبق کرنا ایک خطرناک قسم کی علمی بے راہ روی اور فکری انحراف ہے اور گمراہی کی جانب ایسا سفر ہے جس کی منزل کفر اور مسلماتِ دین کا انکار ہے۔

علامہ ابراہیم بن موسیٰ الغرناطی الشاطبی (المتوفی: ۷۹۰ھ) فرماتے ہیں: اعتقادیات کے مسائل میں بہت سارے فرقوں نے اپنے نظریات کو درست ثابت کرنے کے لیے کتاب وسنت کے ظاہری نصوص کے ایسے معنیٰ مطالب بیان کئے ہیں، جن کا نہ کہیں پر ذکر ہے اور نہ سلفِ صالحین کے خیال وخطر میں اس کا گزر ہوا ہوگا؛ مزید فرماتے ہیں: علمائے سابقین کی تشریحات وتحقیقات کو نظرانداز کر کے؛ ادلّۂ شرعیہ (قرآن وحدیث) میں اگر کوئی آدمی طبع آزمائی کرے تو اسے تعارض وتناقض کا ایک جہاں نظر آئے گا جس سے وہ دین سے برگشتہ ہوجائے گا، جب کہ صحابۂ کرامؓ اور سلفِ صالحینؒ کی تفسیر سامنے ہوگی تو اسے نصوصِ شرع کے معاملے میں کسی قسم کا شک وشبہ اور اختلاف محسوس نہ ہوگا اور دین اس کا محفوظ رہے گا؛ اصولی اور فروعی مسائل میں جتنے بھی گمراہ فرقے ہوئے ہیں سبھوں نے اپنے گمراہ کن مسائل وعقائد پر شریعت کے ظاہری دلائل ہی سے استدلال کیا ہے، اب اگر علمائے متقدمین کے علوم سے آدمی بے نیازی کا مظاہرہ کرے تو وہ گمراہ فرقوں کا نوالۂ تر بن جائے گا۔ (الموافقات: ۳/ ۲۸۲-۲۸۸ الطبعۃ الاولی ۱۴۱۷ھ دار ابن عفان)

علمی بے راہ روی اور فکری انحراف کے یوں تو کئی اسباب ہو سکتے ہیں مگر ان میں بنیادی اسباب درج ذیل معلوم ہوتے ہیں (۱) خودرائی (۲) سلف بیزاری (۳) بے استادی کا علم (۴) بے لگام اجتہاد (۵) بصیرت سے محرومی (۶) گناہ کاری (۷) ذہنی مرعوبی (۸) باطل پرستی (۹) بے توفیقی (۱۰) اہلِ طریق سے دشمنی۔

(۱) خودرائی

خودرائی اپنی رائے کو حرفِ آخر سمجھنا اور اپنے سے برتر شخص کے حکم سے سرتابی کرنا؛ آدمی کو مردود و بے اعتبار کر دیتا ہے؛ خودرائی شیطان کی صفت ہے جبکہ اپنے سے اعلیٰ ہستی کے فرمان کے آگے تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرنا فرشتوں کی سنت ہے؛ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابلیس سے ارشاد فرمایا تھا: کہ ابلیس! جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روک دیا؟ ابلیس نے جواب میں کہا تھا: میں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اس کو مٹی سے (سورہ ص: ۷۵-۷۶) اس کے برخلاف فرشتوں کا حال یہ تھا کہ تمام فرشتے ایک ساتھ سجدے میں گر پڑے۔ (سورۃ الحجر: ۳۰)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں (۱) بخیلی جس کا آدمی مطیع ہو (۲) خواہشِ نفس جس کا وہ غلام ہو (۳) آدمی کا خود پسندی میں مبتلا ہونا (المعجم الاوسط عن ابن عمرؓ: ۵۷۵۴)، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ضرور بالضرور ایمان غالب ہو کر رہے گا اور کفر کو اپنی جگہ لینی پڑے گی، اسلامی بیڑے سمندروں میں اتر پڑیں گے، پھر لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ وہ قرآن کو پڑھیں گے اور اس کو خوب سیکھیں گے پھر یوں کہیں گے: ہم نے پڑھا اور ہم نے جانا تو ہم سے بہتر کون ہوگا؟ ہم سے بڑا قاری، عالم اور فقیہ کون ہوگا؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہی لوگ (جو خود پسندی و خودرائی کے مرض میں مبتلا ہیں) دوزخ کے ایندھن ہوں گے (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۳۰۱۹- الزواجر لابن حجر الھیتمی ۱/۱۵۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: تم اس وقت تک خیر کی حالت میں ہوں گے جب تک ؛علم تمہارے بڑوں کے حلقے میں رہے گا لیکن جب وہ تمہارے چھوٹوں کے درمیان آ جائے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چھوٹا بڑے کو بے وقوف بتائے گا (جامع بیان العلم: باب حال العلم اذ کان عند الفسّاق والارذال: ۱۰۵۹) حضرت معاویہؓ نے ارشاد فرمایا: پرلے درجے کی گمراہی یہ ہے کہ آدمی فقہ وفہم کے بغیر قرآن پڑھ لے پھر بچوں، عورتوں اور ہر کس و ناکس کو اس قسم کی تعلیم دینے لگے اس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ قرآن ہی کو پیش کر کے اہل علم سے بحث وجدال کرنے لگیں گے۔(جامع بیان العلم: باب فیمن تاوّل القرآن وتدبرہ وھو جاہل بالسنۃ: ۲۳۶۵)

علامہ ابوالحسن ماوردیؒ المتوفی ۴۵۰ھ فرماتے ہیں: علم کے معاملہ میں اکثر وہی لوگ خود پسندی کا شکار ہوتے ہیں جن کے علم میں گہرائی وگیرائی نہیں ہوتی اور جن کو علم کے بحر ناپید کنار کا اندازہ ہوتا ہے وہ باوجود کثیر العلم ہونے کے کبھی خود رائی کی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتے؛ علامہ موصوف اپنا ایک سبق آموز واقعہ بھی اس موقع پر قلمبند فرماتے ہیں کہ انہوں نے "بیوع" یعنی خرید وفروخت کے مسائل میں بڑی محنت سے ایک جامع کتاب تصنیف کی تھی اور اس خوش فہمی میں تھے کہ وہ اس فن میں عالمِ زمانہ ہیں، اتفاق کی بات کہ ان کی مجلس میں دو گنوار آدمی؛ خرید وفروخت کے اپنے ایک معاملہ کو لے کر حاضر ہوئے، اس معاملہ میں ان دونوں نے کچھ ایسی شرائط باہم لگائی تھیں جن پر چار پہلو سے غور کرنے کی ضرورت تھی، تعجب خیز بات یہ تھی کہ ان چاروں میں سے کسی ایک مسئلہ کا جواب بھی ان کو معلوم نہ تھا، انہوں نے دونوں گنوار آدمیوں سے معذرت کی! لیکن وہ تو گنوار آدمی تھے انہوں نے حضرت العلامہؒ کو خوب کھری کھری سنا دی کہ اپنی جماعت کے سرخیل بنے

بیٹھے ہومگر ہمارا مسئلہ حل نہیں کر سکے !! پھر یہ دونوں علامہ ماوردیؒ کے ایک کم درجے کی صلاحیت والے شاگرد کی خدمت میں پہنچے تو ان شاگرد نے ان کو درست مسئلہ بتا دیا، یہ دونوں ان کوخوب دعائیں دے کر رخصت ہوئے، اِدھر علامہ ماوردیؒ کو من جانب اللہ تنبیہ و نصیحت ہوئی کہ کسی بھی میدان میں اپنے آپ کو عقلِ کل خیال کر لینا اچھی بات نہیں۔ (ادب الدنیاوالدین للماوردی فصل فی آداب العلماء: ۷۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا: ہر سال کے بعد آنے والا سال زیادہ برا ہوگا، تمہارے علماء وصلحاء اٹھتے چلے جائیں گے پھر ایسے لوگ وجود پذیر ہوں گے جو دینی امور میں خود رائی اور قیاس آرائیوں سے کام لیں گے، اور اس طرح کی کاروائیوں سے اسلام کو ڈھا دیں گے اور مسخ کر دیں گے۔ (البدع لابن وضاح المتوفی ۲۸۶ھ باب کل محدثۃ بدعۃ: ۷۸)

حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا: ایک دوسرے سے (علمی امور میں) مشاورت کرنا؛ بہترین معاونت ہے اورخودرائی بدترین استعداد ہے۔(ادب الدنیا والدین: الفصل الثالث فی المشورۃ: ۳۰۰)

امام اوزاعیؒ المتوفی ۱۵۷ھ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت بلال بن سعدؒ المتوفی ۱۲۴ھ نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو حجت بازی اور بحث وجدال کا ماحول بنائے ہوئے ہو اور خود رائی میں گرفتار ہو تو یقین کرلو کہ اس کا خسارہ اور نقصان تمام ہو چکا ہے۔ (روضۃ العقلاء ونزھۃ الفضلاء ذکر ما ابیح من المزاح للمرء وما کرہ لہ منہ: ۷۹ - ابو حاتم الدارمی المتوفی ۳۵۴ھ -البدایہ والنھایہ للحافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ: ۱۳ / ۱۴۶ ثم دخلت سنۃ اربع وعشرین ومائۃ)

علامہ نجم الدین مقدسیؒ المتوفی ۶۸۹ھ فرماتے ہیں: جو آدمی خود پسندی و خودرائی میں مبتلا ہوتا ہے وہ اپنی خیالی دنیا میں مست ومگن رہتا ہے کسی نصیحت گر کی نصیحت پر کان بھی نہیں دھرتا، ایسے آدمی کا علاج یہ ہے کہ وہ اپنی رائے کو چھوڑ دے اہل علم کی مجالست اختیار کرے اور کتاب وسنت کے علوم کی درست راہ سے ممارست رکھے۔(مختصرمنہاج القاصدین الفصل الثانی فی العجب:۲۳۶)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۱۷۶ھ فرماتے ہیں: ائمہ اربعہ کے جو مکاتبِ فکر ہیں، ان کی تقلید کے جائز ہونے پر پوری امت کا یا امت کی ایک بڑی قابلِ لحاظ تعداد کا اجماع ہے اور اس میں جو مصالح اور خیر کے پہلو ہیں وہ پوشیدہ نہیں؛ خاص کر خواہش پرستی اور فکری آوارگی کے اِس دور میں اس کی ضرورت وافادیت مخفی نہیں (حجۃ اللہ البالغۃ ۱/ ۲۶۴ باب حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ وبعدہا)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ المتوفی ۱۳۶۲ھ فرماتے ہیں: طبیعت کو عقل پر غالب نہ آنے دیں، اور عقل کو شریعت پر غالب نہ آنے دیں، ساری دنیا کے عقلاء حقیقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے تو ڈوب ہی رہے ہیں اس بے خبری میں انہوں نے عقل کو دین پر غالب کر دیا۔(ملفوظات حکیم الامت، حصہ اول: ملفوظ نمبر: ۴۶۴)

(۲) سلف بیزاری

علمائے سلف سے قولاً یا عملاً اپنا رشتہ کاٹ لینا؛ گمراہی اور فکری آوارگی کا پیش خیمہ ہے، اپنی زبان یا اپنے طرزِ عمل کے ذریعہ ان کی حیثیت گرادینا اور علم کے زعم میں ان پر نقد و تبصرہ کرنا سوئے خاتمہ کا بھی سبب بن سکتا ہے؛ زمانہ ٔحاضر میں دانشوروں کا ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو علمی لب ولہجہ میں سلفِ صالحین سے امت کا اعتماد اٹھا دیتا ہے اور لوگوں کی نظر میں ان کے علوم کو بے اعتبار کردیتا ہے؛ یہ گروہ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں اُس جماعت سے بھی زیادہ نقصاندہ اور خطرناک ہے جو سلف صالحین کے تعلق سے اعلانیہ ہرزہ سرائی کرتی ہے؛

فارسی کا مقولہ ہے: دشمن دوست نمارا نتواں داد تمیز

وہ دشمن جو دوستی کی ادائیں دکھلاتا ہواس کے فریب سے بچنا مشکل ہوتا ہے؛ قرآن وحدیث میں جابجا سلفِ صالحین کی عظمت واعتبار کے تذکرے ملتے ہیں؛ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے اس کو ہم اس راہ کے حوالے کردیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے (سورۃ النساء: ۱۱۵)

علامہ ابوالحسن السبکی ۷۵۶ھ نے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ المتوفی ۲۰۴ھ نے امتِ محمدیہ کے اجماع کے حجت ہونے کی دلیل تلاش کرنے کی غرض سے تین دفعہ مکمل قرآن کو پڑھا پھر اس آیت کے ذریعہ استدلال فرمایا (تکملۃ المجموع شرح المہذب ۱۰ / ۴۲)

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اس شخص کے راستے کی پیروی کرو جو میری

طرف رجوع کرتا ہے(سورہ لقمان:۱۵)

علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ المتوفی ۳۷۰ھ نے اسی آیت سے اجماع یعنی کسی شرعی مسئلہ میں امت کا اتفاق کے حجت ہونے کو ثابت کیا ہے(احکام القرآن ۳/ ۱۱۳ مطلب فی حجۃ الاجماع) کیوں کہ اجماع اللہ کی طرف رجوع کرنے والے نیک بندوں کا اجتماعی راستہ ہوتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

(۱)میری امت ہرگز گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی لہذا تم جماعت سے وابستہ رہو کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔(طبرانی کبیر عن ابن عمرؓ ۱۳۶۲۳)

(۲) جب تم لوگ اختلافات دیکھو تو سوادِ اعظم سے منسلک ہو جاؤ کیونکہ میری امت گمراہی پر یکجا نہیں ہوسکتی۔

(الکنی والاسماء للد ولابی المتوفی ۳۱۰ھ عن انس بن مالکؓ: ۹۳۷)

(۳) جماعت کے ساتھ اللہ کی مدد ہے جو جماعت سے کٹا وہ کٹ کر داخلِ دوزخ ہوا۔(ترمذی عن ابن عمرؓ: باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ: ۲۱۶۷)

(۴) برکت تمہارے اکابر کے ساتھ ہے۔

(حاکم: عن ابن عباسؓ: ۲۱ کتاب الایمان)

(۵) مجموعی لحاظ سے مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں؛ وہ اللہ کے یہاں بھی اچھی ہوتی ہے اور جس چیز کو وہ برا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہوتی ہے۔

(مسند احمد: ۳۶۰۰ عن ابن مسعودؓ موقوفاً)

امام احمد بن الاذرعیؒ المتوفی ۸۳ ھ فرماتے ہیں: اہل علم خاص کر اکابر علماء کی

بے توقیری کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔(الموسوعۃ العقدیہ:۸/ ۱۹)

علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اہل علم کی شان میں قدح وعیب لگانا؛ الحادو بے دینی کے اسباب میں سے ہے۔(الاعلام بحرمۃ اہل العلم والاسلام ۱/ ۳۲۵)

علامہ ابن عساکرؒ المتوفی ۵۷۱ھ فرماتے ہیں: جو آدمی علمائے اسلام کے معاملہ میں زبان دراز ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مرنے سے پہلے مردہ دلی میں مبتلا فرمادیتے ہیں اور اس کی عزت کا پردہ پھاڑ دیتے ہیں۔

(تبیین کذب المفتری لابن عساکر ص:۴۲۵ ط:۱۴۰۴ھ ناشر دار الکتاب العربی)

امام احمد بن حنبلؒ المتوفی ۲۴۱ھ نے فرمایا: علماء کے گوشت زہر آلود ہوتے ہیں (ان کی غیبت کرنا اور ان کا برا تذکرہ کرنا نقصاندہ ہوتا ہے) جو ان کو سونگھتا ہے وہ بیمار ہو جاتا ہے اور جو ان کو کھاتا ہے اس کی موت ہی واقع ہو جاتی ہے(علماء کی برائی کرنے والا تو نامرادو محروم ہوتا ہی ہے ان کی برائی کو سننے والا بھی دینی نقصان سے دوچار ہوتا ہے)۔

(المعید فی ادب المفید والمستفید عبد الباسط الدمشقی المتوفی ۹۸۱ھ ص:۶۰ الفصل الثالث فی تحذیر من اذی او انتقص عالما)

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ المتوفی ۱۸۱ھ فرماتے ہیں: جس نے علماء کی شان گھٹائی اس کی آخرت تباہ ہوئی اور جس نے امراء کی بے توقیری کی اس کی دنیا برباد ہوئی اور جس نے اپنے دوست احباب کو ہلکا جانا اس کی مروت گئی۔

(سیر اعلام النبلاء ۸/ ۴۰۸ ط:۱۴۰۵ھ موسسۃ الرسالۃ)

حضرت ابو درداء ۳۲ھ فرماتے ہیں کہ: اگر فقہاء کی باتیں نہ ہوتی تو ہم کیا ہوتے۔(الفقیہ والمتفقہ ۱/ ۱۵۲ ط:۱۴۲۱ھ ناشر: دار ابن الجوزی السعودیہ)

علامہ شاطبیؒ المتوفی ۷۹۰ھ فرماتے ہیں: علمی اثر و رسوخ کے معاملہ میں بعد کے علماء متقدمین کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتے، متقدمین کی کتابیں، ان کے اقوال وعادات؛ ہر قسم کا علم سیکھنے خاص کر مقاصدِ شریعت کا علم حاصل کرنے کے محتاط و قابلِ اعتماد ذرائع ہیں۔(الموافقات ۱/ ۱۴۵)

علامہ شمس الدین ذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں: علامہ ابن حزم ظاہری المتوفی ۴۵۶ھ باوجود یہ کہ ایک جلیل القدر عالم گزرے ہیں مگر بایں ہمہ ان کی تصانیف امت کے درمیان قبولِ عام حاصل نہ کرسکیں اور روزِ اول ہی سے موضوعِ بحث بنی رہیں، ائمہ اسلام کی ایک جماعت نے موصوف کی تصانیف سے گریز و کنارہ کشی کی بلکہ کسی وقت لوگوں نے ان کی کتابوں کو نذرِ آتش تک کرڈالا تھا جبکہ بعض علماء نے ان کو اپنے مطالعہ کا حصہ بنایا اور قابل اعتبار اور قابلِ تنقید باتوں کو جدا جدا کیا، علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: علامہ ابن حزم ظاہریؒ کی کتابوں کا یہ حشر اس بنا پر ہوا کیوں کہ انہوں نے بھی اپنے پیشرو علماء کے حق میں اپنی زبان وقلم کو بے لگام رکھا تھا؛ ان کے سلسلہ میں ادب واحترام کو بالائے طاق رکھ دیا تھا بلکہ بسا اوقات سبّ وابتذال پر اتر آئے تھے۔(سیر اعلام النبلاء ۱۸/ ۱۸۶ ابن حزم ابومحمد علی بن احمد القرطبی)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں: کہ فقیہِ شافعیہ قاضی محمد بن عبداللہ الزبیدی المولود ۷۰۱ھ المتوفی ۷۹۱ھ اونچے درجہ کے عالم گزرے ہیں؛ تدریس کے علاوہ منصبِ افتاء پر بھی فائز تھے، بلا دِ یمن میں ان کے شاگردوں کی کثیر تعداد موجود تھی، شہرت کی بلندیاں ان کو نصیب ہوئی تھیں فقیہ شیراز ابواسحاق شیرازی المتوفی ۴۷۶ھ کی کتاب "التنبیہ فی فروع الشافعیہ" کی بیس جلدوں میں "التفقیہ فی شرح التنبیہ" کے نام سے ضخیم شرح انہوں نے لکھی تھی مگر انتقال کے وقت دیکھنے والوں نے ان کو دیکھا کہ

زبان باہر کونکل پڑی ہے اور چہرہ سیاہ پڑ گیا ہے لوگوں کا خیال تھا کہ ان کا یہ انجام اس بنا پر ہوا کہ انہوں نے اپنی حیات میں شیخ الاسلام محی الدین یحیٰ بن شرف نوویؒ المتوفی ۶۷۶ھ کی خوب بے عزتی کی تھی؛ حافظؒ فرماتے ہیں: جو آدمی علمائے اسلام کی غیبت اور ان پر تنقیدوں کے مزے لیتا ہے،اس پر سوء خاتمہ کا سخت اندیشہ ہے۔(الدرر الکامنۃ: ۵ / ۲۳۳ محمد بن عبداللہ بن ابی بکر الحثیثی الزبیدی)

امام ابوزرعۃ رازیؒ المتوفی ۲۶۴ھ فرماتے ہیں: جب تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سے کسی ایک کی بھی تنقید کر رہا ہوتو تم یقین جان لو کہ وہ آدمی زندیق و بے دین ہے؛اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کا رسول برحق ہے،اللہ کا قرآن اوراسلامی شریعت برحق ہے اور یہ متاعِ بیش بہا ہم کو صحابہ کرامؓ کے توسط سے پہنچی ہے جو شخص ان گواہانِ اسلام پر جرح کرتا ہے وہ درحقیقت کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتا ہے پس ایسوں کے زندیق ہونے میں کیا شبہ ہے۔(فتح المغیث: ۴ / ۹۵ بیان عدالۃ الصحابۃ)

صحابہؓ کی شان تو بہت بلند ہے؛امام جرح وتعدیل یحیی بن معین المتوفی ۲۳۳ھ فرماتے ہیں: جب تم دیکھو کہ کوئی آدمی حماد بن سلمہؒ اور عکرمہ مولی ابن عباسؓ کے بارے میں کلام کررہا ہے تو اس کے اسلام کو مشتبہ سمجھو۔(الجوھر النقی ۲ / ۴۰۳ ناشر: دارالفکر)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں: ایک بات اہلِ علم کے کام کی بتاتا ہوں کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلفِ صالحین کی عظمت پر ہے، اس لیے حتی الامکان ان پر اعتراض اور تنقیص کی آنچ نہ آنے دیں۔(کمالاتِ اشرفیہ ملفوظ نمبر: ۱۱۴۳ مرتب: حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الٰہ آبادی)

(۳) بے استادی کا علم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے، ہر چیز کے حصول کا کوئی نہ کوئی ذریعہ مقرر فرمایا ہے؛ اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنتِ مبارکہ ہے کہ وہ اسی ذریعہ سے اس کو عموماً نوازتے ہیں؛ معاش حاصل کرنا ہو تو ذرائعِ معاش اختیار کرنا ہوگا، اولاد حاصل کرنا ہو تو نکاح کرنا ہوگا، کنویں سے پانی نکالنا ہو تو ڈول ڈالنا ہوگا، کسی منزل تک پہنچنا ہو تو راستہ طے کرنا ہوگا، بیماری دور کرنا ہو تو دوا علاج کرنا ہوگا، یہی حال حصولِ علم کا بھی ہے؛ علمِ صحیح اور علمِ نافع حاصل کرنے کے لیے استاد کا درست انتخاب کرنا ہوگا پھر اس کے آگے اپنے آپ کو مٹانا ہوگا تب جا کر علم کا نور آدمی کو نصیب ہوتا ہے۔

خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ ابوبکر بن محمد بن علی ادفویؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ جب انسان کسی عالم سے علم سیکھتا ہے اور اس سے علمی فوائد حاصل کرتا ہے تو گویا وہ اس کا غلام ہوتا ہے؛ خدائے تعالی ارشاد فرماتے ہیں: ”اور جب کہ موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا“ یوشع بن نون کو خادمِ موسی کہا گیا حالانکہ یوشع بن نون؛ موسی علیہ السلام کے کوئی غلام مملوک نہ تھے بلکہ محض ان کے تلمیذ اور شاگرد تھے، معلوم ہوا کہ شاگرد کا اپنے استاد کے ساتھ یہ معاملہ ہونا چاہیے۔ (الفقیہ والمتفقہ ۲/ ۱۹۷ باب تعظیم المتفقہ الفقیہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجود اُولوالعزم اور صاحبِ کتاب پیغمبر ہونے کے ایک خاص قسم کا علم حاصل کرنے کے لئے حضرت خِضَر علیہ السلام کے سامنے زانوئے تلمذ طئے کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور ان کی جملہ شرائط کو قبول ومنظور بھی کیا؛ یہ امر بھی لائقِ توجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کبھی کوئی آسمانی کتاب یا نوشتہ پیغمبر کے بغیر نہیں اتارا؛ ہاں ایسا اکثر ہوا ہے کہ انبیائے کرام کسی کتاب اور صحیفے کے بغیر بھی مبعوث ہوئے؛ اس سے ان لوگوں کے

خیال کی تردید ہوتی ہے جو رجال اللہ کے بغیر محض کتاب اللہ کو اپنی ہدایت کے لئے کافی سمجھتے ہیں؛

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اگر تم کو معلوم نہیں تو اہل علم سے دریافت کرلو (سورۃ النحل: ۴۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سے قرآن کا علم رکھنے والے یعنی علماءِ اسلام مراد ہیں اور بعض نے مطلق اہلِ علم مراد لیا (تفسیر قرطبی ۱۰/ ۱۰۸ بحوالہ آسان تفسیر قرآن مجید)

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے ذمہ داروں کی بھی (سورۃ النساء:۵۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ اللہ کی اطاعت سے مراد کتاب اللہ کی اطاعت کرنا ہے اور رسول اللہ کی اطاعت سے مراد سنت رسولؐ کی اطاعت کرنا ہے اور ذمہ داروں سے مراد علماء ہیں جس جگہ کے بھی ہوں اور جہاں کہیں موجود ہوں؛ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: اس سے فقہائے کرام مراد ہیں؛ حضرت مجاہدؒ، حضرت عطاءؒ اور حضرت حسن بصریؒ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے (الفقیہ والمتفقہ :۱/ ۱۲۶-۱۳۱ باب تاویل قول اللہ تعالیٰ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم)

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس علم کو (اگلے لوگوں سے) بعد میں آنے والے ایسے حضرات اپنے ذمہ لیں گے جو اس علم سے جاہلوں کی تاویل وغلط بیانی کو اور باطل پرستوں کی بے بنیاد باتوں کو اور غلو کرنے والوں کی تحریفات کو ختم کریں گے۔ (شرح مشکل الآثار للطحاوی المتوفی ۳۲۱ھ: ۳۸۸۳-۳۸۸۴)، امام طحاویؒ

فرماتے ہیں: ”بعد میں آنے والوں“ سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے اپنے پیشرو معتبر علماء سے علم حاصل کیا ہو، باقی جن لوگوں نے شذوذ اور تفرّد کو اپنا مسلک بنایا ہے وہ اس حدیث پاک کے مصداق نہیں ہیں۔ (حوالۂ سابق)

امام مالک بن انسؒ المتوفی ۱۷۹ھ فرماتے ہیں: بے شک یہ علم، دین ہے لہٰذا تم دیکھ لو کہ کس سے تم اپنا دین حاصل کر رہے ہو، ہم نے اپنے اس شہرِ مدینہ میں ایسے بہت سے شیوخ کو دیکھا ہے، جو نیکی وتقویٰ اور عبادت میں بلند مقام پر فائز تھے، حدیث بھی بیان کرتے تھے مگر میں نے ان سے ایک حدیث بھی نہیں لکھی کیونکہ ان کو حدیث میں معرفت و بصیرت نہیں تھی، اس کے برخلاف ہم علامہ ابن شہاب زہریؒ کے دروازے پر سماعِ حدیث کے لئے بھیڑ لگاتے تھے۔

(موطا مالک ۱/ ۲۵-المحقق محمد مصطفی الاعظمی طبع: ۱۴۲۵ھ م ۲۰۰۴ء)

سرخیلِ فقہاء امام اعظم ابوحنیفہؒ المتوفی ۱۵۰ھ کے شیوخ واساتذہ کی تعداد لگ بھگ چار ہزار تھی، حماد بن ابی سلیمانؒ آپ کے استاذِ خاص تھے جن سے کم وبیش بیس سال تک آپؒ نے استفادہ فرمایا۔ (سیرۃ النعمان ۱/ ۵۴ للعلامۃ شبلی نعمانیؒ)

امام المحدثین محمد بن اسماعیل البخاریؒ المتوفی ۲۵۶ھ نے قریب ایک ہزار اسّی مشائخ سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ (ھدی الساری بحوالہ انعام الباری ۱/ ۶۴) مکّیؒ بن ابراہیم اور اور ابوعاصم النبیلؒ؛ امام بخاریؒ کے اونچے درجے کے اساتذہ ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں اساتذہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں (حوالۂ سابق)

بصیرت مند علماء کا احساس وخیال ہے کہ

طالبِ علم کے شیوخ واساتذہ بمنزلۂ اس کے آباء واجداد کے ہیں؛ جس کے شیوخ

واساتذہ نہیں علم کی دنیا میں وہ مجہول النسب اور ساقط الاعتبار رہوتا ہے۔

(الاعلام بحرمۃ اہل العلم: ۳۷۷)

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں: محقق عالمِ دین کی ایک علامت یہ ہے کہ اس نے نہ صرف شیوخ سے علم حاصل کیا ہو بلکہ ان کی طویل صحبت بھی اٹھائی ہو؛ جیسے ائمہ اربعہ اور دیگر فقہاء ومحدثین کی زندگیاں اس بات کی شاہد ہیں؛ علامہ ابن حزم ظاہریؒ پایہ کے عالم ہونے کے باوجود؛ ان کے علوم امت میں اس لیے فروغ نہیں پائے کیوں کہ انہوں نے شیوخ و اساتذہ سے درکار صحبت نہیں رکھی اور نہ ہی ان کے آداب کا کوئی خاص لحاظ رکھا۔(الموافقات:۱/ ۱۴۴)

علامہ ابوحیان اندلسیؒ المتوفی ۷۴۵ھ اکثر عربی کے مخصوص اشعار گنگنایا کرتے تھے جن کا ترجمہ یوں ہے:

ناتجربہ کار آدمی سمجھتا ہے کہ حصول علم کے لیے کتابیں رہنمائی کے لیے کافی ہیں، اس جاہلِ مطلق کو معلوم نہیں کہ کتابوں میں ایسی غامض اور اونچے معیار کی باتیں بھی ہوتی ہیں جو فہیم علماء کو بھی کبھی حیران کردیتی ہیں؛ جب تجھے شیخ کے بغیر علم حاصل ہوئے تو تو صراطِ مستقیم سے بھٹک گیا اور تجھ پر امورِ دین ایسے مشتبہ ہوجائیں گے کہ تو "توما حکیم" سے بھی زیادہ گم کردۂ راہ ہوجائے گا۔(طبقات الشافعیہ الکبری للسبکی المتوفی ۷۷۱ھ:۹/ ۲۸۶ ط:۱۴۱۳ھ ناشر: ھجر للطباعۃ والنشر)

کہا جاتا ہے کہ توما حکیم ایک مضحکہ خیز آدمی گزرا ہے، باپ اس کا طبیب وڈاکٹر تھا اور یہ نالائق، باپ کے انتقال پر بہت ساری فنِّ طب کی کتابیں ملیں اب خود سے پڑھنا شروع کیا؛ بدقسمتی سے کسی کتاب کے نسخہ میں املا کی غلطی موجود تھی اور اس

میں "الحبۃالسوداءشفاءمن کل داءٌ" والی روایت میں "الحبۃالسوداءٌ" (شونیز سیاہ دانے) کے بجائے "الحیۃ السوداءٌ" (سیاہ سانپ) لکھا تھا، اس نے اس کا یہ مطلب لیا کہ سیاہ سانپ میں ہر بیماری کی شفاء ہے، اب جو اس نے اس کی روشنی میں طبابت شروع کی تو ایک خلقِ کثیر کو موت کے گھاٹ اتار دیا پھر خود بھی گرفتارِ بلا ہوا۔

(اَرشیف منتدی الالوکہ: القول المستجاد فی دفع شبہ وعناد: ۱۲۳۱ ۳ مکتبۂ شاملہ)

بے استادی کی وجہ سے مشہور راویٔ حدیث قاضی ابن لہیعہ کو بھی ایک روایت میں مغالطہ لگ گیا تھا، انہوں نے حدیث پاک کہ **احتجر رسول** ﷺ **فی المسجد** (رسول ﷺ نے چٹائی وغیرہ سے مسجد میں ایک جگہ گھیر لی تھی) کو یوں پڑھا تھا کہ احتجم رسول اللہ ﷺ۔ (رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں پچھنا لگوایا) ابن صلاح نے لکھا کہ اس غلطی کی وجہ یہ تھی کہ ابن لہیعہ نے استاذ سے سنے بغیر اس حدیث کو کتاب میں دیکھ کر روایت کرنا شروع کر دیا تھا۔ (مقدمہ ص: ۱۱۴ بحوالۂ تدوین حدیث: ۱۸۹)

امام ابن جماعہؒ المتوفی ۷۳۳ھ نے فرمایا: ایسے شیخ واستاد سے علم حاصل کرو جو علومِ شرعیہ سے مکمل واقفیت رکھتا ہو اور اپنے زمانے کے مشائخ وعلماء کی نظر میں قابلِ اعتماد ہو اور ان سے علمی مسائل میں تبادلۂ خیال کرتا رہتا ہو، ایسے لوگوں کو استاد نہ بناؤ جنہوں نے محض کتابوں کے دفتروں سے علم حاصل کیا ہو اور ماہر اساتذہ کی صحبت نہ اٹھائی ہو۔

(تذکرۃ السامع والمتکلم ص: ۸۷)

محاورہ مشہور ہے کہ جو علم کی دنیا میں اکیلے اکیلے داخل ہوا تو وہ اکیلے اکیلے اور خالی خالی ہی وہاں سے نکلا من دخل في العلم وحده خرج وحده۔

(الجواہر والدرر للسخاوی ۱ / ۵۸ بحوالۂ حلیۃ طالب العلم، ص: ۱۵۹)

علماءِ سلف نے فرمایا: ایسے آدمی سے قرآن کی تعلیم حاصل مت کرو جس نے بے استاد کے قرآن کو پڑھا ہو اور ایسے آدمی سے حدیث اور دیگر علوم مت سیکھو جس نے محض کتابوں کی ورق گردانی کی ہو۔ **لاتأخذالعلم من صحفيّ ولا من مصحفي**

(الوافي بالوفيات ۲۱ / ۲۵ علی بن ربیعۃ، ط: ۱۴۲۰ھ ناشر: داراحیاء التراث)

فقیہ شام امام اوزاعیؒ المتوفی ۱۵۷ھ فرماتے ہیں: یہ علم بڑا معزز اور لائقِ اکرام تھا؛ طلبہ اپنے اساتذہ سے اس کو لیا کرتے تھے مگر جب سے یہ کتابوں میں آ گیا تو اس میں نااہل لوگوں کی بھرمار ہوگئی۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر: ۳۵ / ۱۸۸)

امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں: کتابیں پڑھ کر عالم کہلانے والا نہ لوگوں کو فتوے دے سکتا ہے نہ ہی ان کو پڑھانے کا اہل ہے۔

(الفقیہ والمتفقہ: ۲ / ۱۹۳ باب اختیار الفقہاء الذین یتعلم منہم)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: جو کتابوں کے پیٹ سے فقیہ بنا اس نے احکامِ شرع کا جنازہ نکال دیا۔ (العقد التلید لعبد الباسط الدمشقی الشافعی المتوفی ۹۸۱ھ، ص: ۱۴۱، ط: ۱۴۲۴ھ ناشر مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ)

علامہ ابن خلکانؒ المتوفی ۶۸۱ھ کا ارشاد ہے: کہ جس آدمی کا شیخ واستاذ نہیں اس کو مجذوب نام دینا بجا ہے۔ (وفیات الاعیان ۷ / ۲۵۶ یونس المخارقی)

مشاہدہ وتجربہ ہے کہ جس کا شیخ واستاذ کتاب ہو تو اس کی درست باتیں کم اور خطائیں زیادہ ہوتی ہیں، علامہ رشید رضا مصریؒ المتوفی ۱۳۵۴ھ نے ایک اچھی بات لکھی ہے کہ موجودہ زمانہ کے جو مستشرقین ہیں وہ سب کے سب بے استاد کے اسکالرس ہیں، انہوں نے اگر کچھ دینی خدمات بھی انجام دی ہیں تو اس میں اس قدر خرابیاں اور غلطیاں موجود ہیں

کہ ان کوٹھیک کرنے ہی میں ایک طویل عرصہ نکل جائے گا، جارج سایل پہلا شخص ہے جس نے قرآن کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اپنے اس کارنامہ پر وہ بانگِ دہل فخر بھی کیا کرتا تھا مگر جب میں نے اس کے ترجمہ کا جائزہ لیا تو صرف پہلے پارے میں چالیس غلطیاں موجود تھیں، محمد مارمادو یک بھی انگریزی زبان میں قرآن پاک کا نامور مترجم گزرا ہے مگر اس کے ترجمے میں بھی واضح اغلاط موجود تھیں، میں نے یہ اغلاط اس کو لکھ کر بھیجیں تو اس نے ان کا اعتراف بھی کیا اور میرا شکریہ بھی ادا کیا۔ (مجلۃ المنار ۳۴/ ۵۳۵)

شیخ المشائخ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فرمان ہے:

نِری کتابیں کام نہیں دے سکتیں مثلاً نِری کتاب دیکھ کر مُسہل نہیں لے سکتا سو نری کتاب دیکھ کر مسئلہ کیسے معلوم کرسکتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ پہلے استاد سے فن کو حاصل کرے، بڑھئی کا فن ان علوم کے سامنے کوئی مشکل چیز نہیں مگر بدون سیکھے ہوئے بسولہ بھی ہاتھ میں نہیں لے سکتا اگر لے گا تو اپنے ہی مارے گا، تلوار ہے یوں ہی کاٹ دیتی ہے؟ اس کا خاص ہاتھ ہے وہ بھی محض دیکھنے سے نہیں آسکتا ہے تو ہر چیز میں ضرورت ہے استاد کی۔

(ملفوظات حکیم الامت حصۂ سوم ملفوظ نمبر: ۱۳۵)

اور ایک موقع پر اس سلسلہ میں بڑی پُرلطف بات ارشاد فرمائی ہے کہ ایک ظریف نے بیان کیا تھا کہ تبحر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک کدو تبحر (۲) مچھلی تبحر، کدو سارے دریا میں پھرتا ہے مگر اوپر اوپر اور مچھلی عمق میں پہنچتی ہے، تو ان (بے استاد) لوگوں کا تبحر ایسا ہے جیسے کدو تبحر کہ اوپر اوپر پھرتے ہیں، اندر کچھ خبر نہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت حصۂ اول ملفوظ نمبر: ۴۷۶)

(۴) بے لگام اجتہاد

احکامِ شرعیہ کی تحقیق کے لیے جو آخری درجہ کی کوشش کی جاتی ہے اسے ”اجتہاد“ کہا جاتا ہے؛ شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ”اجتہاد“ فروعی شرعی احکام کو اس کے تفصیل دلائل سے اخذ کرنے میں پوری پوری سعی وکوشش کرنے کا نام ہے، یہ دلائل بنیادی طور پر چار قسم کے ہیں: (۱) **کتاب اللہ** (۲) **سنت ِرسول اللہ** (۳) **اجماع** (۴) **قیاس**۔ (عقدالجید بحوالہ قاموس الفقہ ۱ / ۵۰۳)

علامہ بغویؒ المتوفی ۵۱۶ھ فرماتے ہیں: مجتہد وہ ہوتا ہے جو پانچ علوم کا جامع ہو (۱) کتاب اللہ کا علم رکھتا ہو (۲) سنت رسول اللہ کا (۳) سلفِ صالحین کے اقوال کا، ان کے اجماعی اور اختلافی مسائل کا (۴) عربی زبان کا (۵) قیاس اور استنباط کا۔

یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں سے ناسخ ومنسوخ، مجمل ومفصل، خاص و عام، محکم ومتشابہ، کراہت وتحریم، اباحت وندب اور وجوب کی معرفت رکھتا ہو، کونسی حدیث صحیح ہے، کونسی ضعیف، کونسی مسند اور کونسی مرسل، اس کی جانکاری رکھتا ہو نیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی باہمی مطابقت کے تعلق سے بصیرت رکھتا ہو۔

صحابہ وتابعین کے اقوال اور فقہائے امت کے فتاویٰ کی گہری معرفت رکھتا ہو کیوں کہ اس کے بغیر آدمی کا فکر وفہم ٹھوکر کھا جاتا ہے اور وہ امت کے اجماعی مسائل کو پھاڑ ڈالتا ہے، عربی زبان پر بھی دسترس رکھتا ہو، اس کی روشنی میں احکامِ شرعیہ کے موقع محل کو اچھی طرح سمجھتا ہو، اہلِ عرب کے محاورات اور ان کے مقاصدِ کلام کو جانتا ہو اور قاعدہ وقانون سے قیاس کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

علاوہ ان کے خواہشات و بدعات سے کنارہ کش ہو، تقویٰ و پرہیزگاری سے

آراستہ ہو، کبیرہ گناہوں سے کوسوں دور ہو، صغیرہ گناہوں کا بھی عادی نہ ہو، ایسا شخص ہی کارِ اجتہاد سنبھال سکتا ہے جو اس معیار کا نہ ہو اس کے لئے اجتہاد کے میدان میں دخل دینا جائز نہیں، اس کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ کسی مجتہد کی تقلید کرے۔ (شرح السنۃ للبغوی ۱۰ / ۱۲۰ باب اجتہاد الحاکم- عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید ۱ / ۵)

علامہ شاطبیؒ اس کے علاوہ مجتہد کے لئے مقاصدِ شریعت سے مکمل واقفیت کی شرط کا بھی اضافہ فرماتے ہیں (الموافقات ۵ / ۴۲)

اجتہاد کی فی الجملہ ضرورت ہر زمانے میں رہی ہے، قیاس واستنباط کا کام بھی اپنے اپنے مواقع پر ہر دور میں موجود رہا ہے اور یہ اپنی جگہ ایک فطری اور معقول چیز ہے، کیوں کہ جزئیات وتفاصیل کے باب میں کتاب وسنت کے نصوص وتصریحات معدود ہیں، زیادہ تر اصول وکلیات ہیں، اِدھر زمانہ کو قرار نہیں؛ حالات میں تغیر ہوتے چلے آرہے ہیں، زمانہ اپنی ہرنئی کروٹ کے ساتھ نت نئے تقاضے لے کر سامنے آتا ہے اور رہتی دنیا تک یہی نقشہ رہے گا لہذا ان مسائل ومعاملات سے عہدہ برآ ہونے اور ان سے مستقل شرعی احکام کی تشخیص وتعین کے لیے سوائے قیاس واستنباط کے کوئی اور چارہ کار نہیں۔ (چراغِ راہ: ۳۶۵)

امام الحرمینؒ المتوفی ۴۷۸ھ فرماتے ہیں:

کتاب وسنت کی نصوص محدود ہیں اور اجماعی مسائل کی بھی ایک تعداد ہے مگر نئے پیش آمدہ مسائل کی کوئی انتہاء نہیں۔ (البرہان فی اصول الفقہ: کتاب القیاس ۲ / ۳)

علامہ شاطبیؒ اجتہاد کی ایک خاص قسم" تحقیقِ مناط" پر تبصرہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ یہ قسم تا قیامِ قیامت جاری وساری رہے گی، پوری امت نے اجتہاد کی اس قسم کو قبول کیا، بندہ جب تک مکلف ہے اجتہاد کی یہ قسم بھی باقی ہے۔ (الموافقات: ۵ / ۱۱-۱۸)

شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: یہ بات جو خیال کرلی گئی کہ اِن اخیر کے زمانوں میں مجتہد کا وجود نہیں ہوتا، فاسد و بے بنیاد ہے۔ (عقد الجید ۱ / ۴)

اب تک کی گفتگو سے یہ بات عیاں ہوگئی ہوگی کہ اجتہاد ایک طرف تو امت کی اہم ترین ضرورت ہے تو دوسری طرف وہ سخت جانکاہی کا کام بھی ہے، اجتہاد و استنباط کے اگر مقررہ اصول وضوابط نہ ہوں تو دین تماشۂ زمانہ اور کم عقلوں کی دل لگی کا سامان بن کر رہ جائے گا، موجودہ زمانے میں اس کے مظاہر آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں، شاید اسی خطرہ کے پیشِ نظر زمانہ قدیم ہی سے فقہاء و مجتہدین نے اجتہاد اور استنباط کے طریقہ کار کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، اور ہر طریقہ کا اس کی ماہیت کو مدنظر رکھتے ہوئے الگ الگ نام و عنوان تجویز کیا ہے؛ چنانچہ قرآن وسنت سے احکام وعلل استنباط کرنے کے یہ سات طریقے ہیں:

(۱) ایماء وتنبیہ (۲) مناسبت یا تخریجِ مناط (۳) سبر وتقسیم (۴) شِبہ (۵) دوران (۶) طرد (۷) تنقیحِ مناط۔

(۱) ایماء وتنبیہ:

قرآن وسنت کی نصوص میں کسی چیز کے بارے میں ”علّت“ ہونے کا اشارہ موجود ہو جیسے اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی وصف؛ اول مذکور ہوا ہو پھر اس کے بعد کوئی حکم ”ف“ کے ساتھ آیا ہو، اس طرز کلام سے اشارہ ملتا ہے کہ اوّل چیز بعد والے حکم کی علت ہے: جیسے اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا: چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت تو تم ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ (المائدہ:۳۸)، یعنی ہاتھ کاٹنے کے حکم کی علت چوری کرنا ہے۔

اسی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: **من أحیا ارضا میتة فھی له.** جس کسی نے بھی کوئی بنجر زمین آباد کی ہے تو وہ اُسی کی ہے، (بخاری: باب من احیا ارضا مواتا) اس سے معلوم ہوا کہ بے آباد یعنی ویران زمین کو اپنی محنت سے آباد کرنا اس زمین کی ملکیت کی علت ہے۔

(۲) مناسبت یا تخریج مناط:

کسی شرعی حکم کی ایسی علت دریافت کرنا جو اس حکم کے بھی مناسب ہو اور منصوص علتوں سے بھی اس کو مناسبت ہو؛ جیسے اس بات پر اجماع ہے کہ نابالغ کی ذات اور اس کے مال میں ولی کو ولایت حاصل ہے اب اس نابالغی کو بنیاد بنا کر ولی کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ نابالغہ شوہر دیدہ لڑکی کا نکاح اپنی ولایت سے کرا سکتا ہے؛ اسی طرح شراب کا حرام ہونا تو کتاب وسنت سے ثابت ہے مگر اس کی علت مذکور نہیں ہے، مجتہدین نے اجتہاد کے ذریعہ نشہ اور سکر کو علت قرار دیا ہے۔

(۳) سبر و تقسیم:

کسی شرعی حکم میں موجود ممکنہ اوصاف کا تجزیہ کرنا پھر ان میں سے ایسے وصف کا انتخاب کرنا جو اس حکم میں مؤثر بننے کی صلاحیت رکھتا ہو؛ جیسے شرع نے چھ چیزوں سونا، چاندی، گیہوں، جَو، کھجور اور نمک میں برابری سرابری اور ہاتھ در ہاتھ خرید وفروخت کو ضروری قرار دیا ہے جبکہ ان کا ایک دوسرے کے ساتھ ہم جنس معاملہ کیا جارہا ہو، کمی بیشی کو سود قرار دیا ہے، مگر سود کیوں ہوگا؟ اس کی علت مذکور نہیں ہے، اب یہ غور کرنا کہ آیا اس کی علت ان اجناس کا ناپ تول کر خریدی بیچی جانے والی چیزوں میں سے ہونا ہے یا ان کا غذا بطور قابلِ ذخیرہ اندوزی ہونا ہے یا ان کا ازقبیلِ مال ہونا ہے؟ یہ غور وفکر سبر و تقسیم کہلاتا ہے۔

(۴) شِبہ :

کوئی ایسا مسئلہ پیش آ گیا کہ اس کو دو اصولوں میں سے کس اصول کے تحت رکھ کر حل کیا جائے؟ ذہن فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کیوں کہ اس مسئلہ کو ان دونوں ہی اصولوں سے کچھ نہ کچھ مشابہت ہے، اب اس سلسلہ میں اجتہاد کرنا ”شبہ“ کے دائرے میں آتا ہے؛ جیسے کسی شخص سے کسی کا ایک قیمتی غلام خطاً قتل ہو گیا جس کی قیمت آزاد آدمی کی دیت سے بھی زیادہ ہے، اب یہ بات کہ غلام بھی آزاد ہی کی طرح ایک انسان ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ قاتل پر پوری قیمت واجب نہ ہو بلکہ دیت کے بقدر لازم ہو، مگر یہ بات کہ غلام؛ مال واسباب کی طرح خرید وفروخت ہوتا ہے اور وہ ایک قسم کا مال ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی مکمل قیمت تاوان میں لازم ہو۔

(۵) دوران:

وصف کے پائے جانے پر حکم بھی پایا جائے اور وصف کے معدوم ہونے کی صورت میں حکم بھی معدوم ہو جائے ”دوران“ کہلاتا ہے جیسے نشہ آور مشروب حرام رہتا ہے نشہ کی کیفیت پائے جانے کی صورت میں مگر جب اسے سرکہ بنالیا جائے تو حرمت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

(٦) طــرد:

کسی چیز میں شروع ہی سے اصل شئ کے اوصاف موجود نہیں ہیں تو وہاں اصل شئ کا حکم بھی موجود نہ رہے گا؛ جیسے سرکہ میں شروع ہی سے پانی کے اوصاف نہیں پائے جاتے چنانچہ پانی کے ندی نالے ہوتے ہیں اُس پر پل بھی بنایا جاتا ہے اس میں مچھلیاں بسیرا کرتی ہیں، سرکہ میں یہ اوصاف نہیں ہوتے لہذا سرکہ سے وضوو غسل جائز نہیں اور اور بعض علماء کے نزدیک اِزالہ نجاست بھی اس سے درست نہیں۔

(۷) تنقیحِ مناط:

شریعت نے کوئی حکم دیا اور وہ حکم ایسا ہے کہ اس کے اطراف بہت سارے اوصاف موجود ہیں مگر شارع نے ان اوصاف میں سے کسی خاص وصف کے بارے میں یہ تصریح نہیں فرمائی کہ یہ وصف اس حکم کی وجہ اور علت ہے، اب بذریعۂ اجتہاد اس کی تعیین و تنقیح کرنا تنقیحِ مناط کہلاتا ہے؛ جیسے زمانۂ رسالت میں ایک اعرابی آدمی نے رمضان کے دنوں میں اپنی بیوی سے صحبت کرلی تھی جس پر آپ علیہ السلام نے کفارہ کا حکم دیا تھا، کفارہ کے حکم کی علت کیا ہے صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ،غور کرنے پر یہ اوصاف ظاہر ہوئے (۱) قصداً جماع کرنا یا قصداً روزہ فاسد کرنا (۲) اپنی منکوحہ سے صحبت کرنا (۳) مخصوص رمضان کا سال و دن ہونا (۴) شخص مذکور کا اعرابی ہونا، ان اوصاف میں سے پہلا وصف ہی ایسا ہے جو کفارہ کے حکم کی علت بن سکتا ہے کہ بحالتِ روزہ اگر کوئی قصداً جماع کرلے تو اس پر کفارہ واجب ہوجاتا ہے؛ باقی اوصاف میں علت بننے کی تاثیر نہیں نظر آتی یہی تنقیحِ مناط ہے۔

(مباحث العلۃ فی القیاس تالیف الدکتور عبدالحکیم عبدالرحمٰن اسعد اسعدی:۳۶۹-۴۹۳)

اجتہاد و استنباط میں درستی و راستی کو پانے کے لیے اصولِ فقہ پر بھی گہری نظر کا ہونا ضروری ہے، اصولِ فقہ کو سمجھنا بڑے دماغ کا کام ہوتا ہے، دوسری صدی اور خیر القرون ہی سے اس جہت میں کام ہونا شروع ہوگیا تھا، خیال کیا جاتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ المتوفی ۱۵۰ھ کی کتاب الرأی پھر امام ابو یوسفؒ کی اس پر شرح اصولِ فقہ کی اولین تصانیف میں شمار ہوتی ہیں؛ امام محمدؒ کی کتاب الاصول بھی اس سلسلہ میں بیان کی جاتی ہے۔

(مقدمہ اصول السرخسی علامہ ابوالوفاء الافغانی ۱/ ۳ - خطبات بہاولپور:۱۲۹)

علامہ بدر الدین زرکشیؒ المتوفی ۷۹۴ھ فرماتے ہیں :الشافعی رضی اللہ عنہ اول من

صنف فی اصول الفقہ صنّف فیہ کتاب الرسالۃ یعنی اصولِ فقہ میں اولین دستیاب تصنیف امام شافعی کی الرسالۃ ہے۔(البحر المحیط ۱ / ۱۸)

پاکستان کے ایک ریسرچ اسکالر جناب ڈاکٹر فاروق حسن صاحب نے اردو زبان میں” فنِ اصولِ فقہ کی تاریخ عہدِ رسالت سے عہدِ حاضر تک“ کے نام سے ایک تحقیقی کتاب ترتیب دی ہے جس میں ایک ہزار سے زائد اصولیینِ اسلام کی فنِ اصول فقہ پر بارہ سو سے زائد کتابوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے؛ شائقین کے لیے یہ کتاب ایک بیش بہا خزانہ ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں امت کے بہترین اور اعلیٰ دماغ اس فن کی آبیاری میں استعمال ہوئے ہیں، ان کو نظر انداز کر کے کوئی آدمی کیسے مجتہد کہلا سکتا ہے اور کب اس کو اجتہاد کا حق مل سکتا ہے؟!!

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: قدرتی قاعدہ ہے کہ ہر شئ عموماً اپنی ضرورت کے وقت ہی ہوا کرتی ہے،جس فصل میں عموماً بارش کی حاجت ہوتی ہے اسی فصل میں بارش ہونے کا قاعدہ ہے،اسی طرح ہوائیں حاجت کے وقت چلا کرتی ہیں، جہاں سردی زیادہ پڑتی ہے وہاں جانوروں کے اُون بہت بڑے ہوتے ہیں،اس کے بے شمار نظائر ہیں،اسی طرح جب تک تدوینِ حدیث کی ضرورت تھی بڑے بڑے قوی حافظہ کے لوگ پیدا ہوئے تھے اب ویسے نہیں ہوتے ،اسی طرح جب تک تدوینِ دین کی ضرورت تھی ،قوتِ اجتہادیہ لوگوں میں بخوبی موجود تھی،اب چوں کہ دین مدوّن ہو چکا ہے اور اصول وقواعد ممہد (مرتب) ہو چکے ہیں،اب اجتہاد کی اتنی ضرورت نہیں رہی، ہاں جس قدر اب بھی اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے،اتنی قوت اجتہادیہ بھی باقی ہے یعنی اصولِ مجتہدین کے تحت جزئیاتِ جدیدہ کا استخراج کر لینا۔(اجتہاد وتقلید کا آخری فیصلہ:۵۹)

(۵) بصیرت سے محرومی

سر کی آنکھوں میں جو روشنی اور نور ہوتا ہے اسے بصارت کہا جاتا ہے اور دل کی روشنی کا نام بصیرت ہے، جو انسان بصیرت سے مالا مال ہوتا ہے اس پر حق ایسا واضح ہو جاتا ہے کہ اس کو کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا، حق کے معاملے میں اس کو شرحِ صدر اور اطمینانِ قلب کی دولت نصیب ہوتی ہے، قانونِ شرع کی کُل دفعات اس کو ایک ہی سلسلہ میں مضبوط و مربوط اور موزوں کڑیاں معلوم ہوتی ہیں، اپنی خداداد بصیرت کے ذریعہ وہ ہر حکمِ شرع کو اس کے محل و موقع پر بے تکلف منطبق کرتا چلا جاتا ہے، مقاصدِ شریعت کے علم میں اس کو ماہرانہ دسترس ہوتی ہے، شکوک و شبہات کی پُر خار وادیوں سے وہ بھی محفوظ رہتا ہے اور دوسروں کے ایمان و یقین کی حفاظت کا ذریعہ بھی بنتا ہے؛ علمائے اسلام میں خاص طور پر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ المتوفی ۵۰۵ھ (صاحبِ احیاء علوم الدین)، سلطان العلماء شیخ الاسلام عزالدین ابن عبدالسلامؒ المتوفی ۶۶۰ھ (صاحبِ قواعدالاحکام فی مصالح الانام)، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ المتوفی ۷۲۸ھ (صاحب الفتاویٰ الکبریٰ)، علامہ ابن القیمؒ المتوفی ۷۵۱ھ (صاحبِ اعلام الموقعین)، پھر امام ابواسحاق ابراھیم بن موسیٰ الشاطبی المالکیؒ المتوفی ۷۹۰ھ (صاحب الموافقات) نے علمِ مقاصدِ شریعت کے حوالے سے جو مجتہدانہ اور مجددانہ کارنامے انجام دیئے ہیں؛ اہلِ اسلام تا صبحِ قیامت ان کے علمی احسانات سے زیرِ بار رہیں گے، اور اس اخیر دور میں شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی ۱۱۷۶ھ کی" حجۃ اللہ البالغۃ" تو اہلِ علم کے بیان کے مطابق نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان معجزات میں سے ہے جو آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد افرادِ امت کے ہاتھوں ظاہر ہوئے ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغۃ، مقدمہ: ۱/ ۱۶)

بقول علامہ شبلی نعمانیؒ: ابن تیمیہؒ اور ابن رشدؒ کے بعد بلکہ خود اُنھیں کے زمانے میں

مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا، اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحبِ دل و دماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھلانا تھا کہ اخیر زمانے میں جب کہ اسلام کا نفس بازپسیں تھا، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالیؒ رازیؒ ابن رشدؒ کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔ (علم الکلام: ۱۰۵)

مولانا منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں: علمائے امت کی جملہ تصنیفات میں سے حجۃ اللہ البالغۃ کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو فائدہ مجھ کو پہنچایا ہے ویسا فائدہ کسی اور کتاب سے مجھ کو نہیں ہوا، اس کتاب کے مطالعہ سے مجھے دینِ اسلام ایک مربوط اور زندگی گزارنے کا کامل نظام معلوم ہوا، اس کتاب کے مطالعہ سے پہلے جن احکامِ دین کو میں تقلیداً مانتا تھا، اس کے مطالعہ کے بعد ان کو تحقیقاً اور علی وجہ البصیرۃ مانتا ہوں۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/ ۱۶)

بصیرت و فراست کی یہ دولت تقوی و پرہیزگاری پر آدمی کو ملتی ہے، علم کے شانہ بشانہ جب عمل بھی زندگی میں ہوتا ہے تو آدمی کی زبان و قلم سے حکمت و معرفت کے چشمے اور سُوتے پھوٹنے شروع ہوتے ہیں اور پیاسی و بے سکون انسانیت کی تشنہ کامی و راحت کا سامان میسر آتا ہے؛

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے ساتھ تقویٰ کی روش اختیار کروگے تو وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے کی صلاحیت تم کو عطا فرمائیں گے۔ (سورۃ الانفال: ۲۹)

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن کی فراست سے بچو کیوں کہ وہ اللہ کے نور کے ذریعہ دیکھتا ہے۔ (ترمذی: باب ومن سورۃ الحجر: ۳۱۲۷)

قرآن پاک میں ہے "جس کو دین کی سمجھ دے دی گئی اسے بڑی نعمت سے نواز دیا گیا" (سورۃ البقرہ: ۲۶۹) امام مالکؒ فرماتے ہیں: حکمت ایک نور ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ

بندۂ مومن کے قلب میں ڈالتے ہیں، یہ بھی فرمایا کہ حکمت باذنِ الٰہی فرشتہ کا بندۂ مومن کے قلب پر گویا دستِ تصرّف ہے (جس کے نتیجے میں علوم و معارف کا فیضان ہونے لگتا ہے)۔ (الموافقات، کتاب الاجتہاد: ۵ / ۲۴)

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: فہم کی درستگی اور میانہ روی، بندے کے اوپر اللہ کی اعظم ترین نعمتوں میں سے ہے بلکہ اسلام کے بعد انہیں افضل ترین نعمت کہا جاسکتا ہے، فہم کی صحت و درستگی اور میانہ روی وحسنِ مقصد گویا اسلام کی دو پنڈلیاں ہیں جن پر اسلام کا قیام ہے، انہی دو چیزوں کا مجموعہ صراطِ مستقیم ہے؛ مغضوب علیہم کا راستہ میانہ روی سے ہٹا ہوا ہے اور ضالین کا راستہ فسادِ فہم کا ہے، صحتِ فہم درحقیقت ایک نور ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ بندے کے دل میں ڈالتے ہیں جس کے ذریعہ بندہ صحیح اور فاسد، حق اور باطل کے درمیان تمیز کرلیتا ہے پھر میانہ روی اور حق کو اپنانے کا مزاج اور ہر حال میں تقوی کا اہتمام اس کے دین وایمان کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچادیتے ہیں۔ (اعلام الموقعین: ۱ / ۸۷ صحۃ الفہم وحسن المقصد)

بصیرت سے محرومی؛ انسان کو سخت لغزشوں میں مبتلا کردیتی ہے، اس کی ذات سے نکلنے والے علوم واعمال، امت کے درمیان ایک خلفشار کا ماحول پیدا کردیتے ہیں، ایسا انسان اگر علم سے نسبت رکھتا ہے تو اس کی معلومات سے مجموعی طور پر انسانیت کو فائدے سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے، اس کے خیالات سے دینی مصادر قرآن وسنت میں تناقض وتضاد کی ایک تصویر لوگوں کے ذہنوں میں ابھرتی ہے، سلفِ صالحین سے بدگمانی کی ذہنیت بھی تشکیل پاتی ہے، فکروفہم کے افلاس کی وجہ سے چونکہ ایسا شخص قرآن وسنت کی تشریح میں متقدمین کے علوم کو پیش نظر رکھنے کے بجائے عصرِ حاضر کی نفسیات ورجحانات کو مقدم رکھتا ہے اس لیے اس کے اردگرد ہوا پرستوں، دنیاداروں یا پھر بھولے بھالے انسانوں کا ہی ریلا جمع رہتا ہے اور انہیں کی واہ واہی میں ان کے رہنما کی بے

بصیرتی اور مفلسی میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہتا ہے؛"حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔"(سورۃ الحج:۴۶)

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں: اعلیٰ درجے کا مفتی وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو ایسی چیزوں پر آمادۂ عمل کرے جو معہود (جانی پہچانی) معتدل اور جمہور کے موافق ہو، نہ وہ ان کو شدت پسندی کی جانب لے جائے نہ اباحت پسندی کی طرف کیونکہ یہ دونوں ہی راستے طریقِ حق سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں، شدت پسندی کے نتیجے میں لوگ دین سے متنفّر و بیزار ہوکر ہلاکت کا شکار ہوجاتے ہیں جبکہ اباحیت پسندی کی صورت میں نفس کے پجاری بن کر دین و دنیا سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔(الموافقات، المسالۃ الرابعۃ المفتی البالغ ذروۃ الدرجۃ ھوالذی الخ:۵/۲۷۶)

بے بصیرتی کی وجہ سے بسا اوقات آدمی صاف صریح نصوص کے موجود ہوتے ہوئے بھی خطا کرجاتا ہے اور اس کو ایسا مغالطہ لگتا ہے کہ وہ اپنی رائے کو صد فیصد برحق خیال کرنے لگتا ہے، تاریخ میں اس قسم کے واقعات کی ایک قابلِ لحاظ تعداد موجود ہے؛ اہلِ بصیرت ان سے عبرت حاصل کرسکتے ہیں:

جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو بعض صحابۂ کرامؓ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جو شراب حرمت کا حکم آنے سے پہلے پی گئی ہے اس کا کیا ہوگا؟ کیا اس پر بھی کوئی گناہ اور مواخذہ ہوگا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیکی پر کاربند رہے ہیں انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا ہے اس کی وجہ سے ان پر کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ آئندہ ان گناہوں سے بچتے رہیں(سورۃ المائدہ:۹۳)اس آیت کو اگر شانِ نزول اور اسلوب و بیان کے قواعد سے ہٹا کر دیکھا جائے تو اس سے یہ فاسد مفہوم بھی نکالا جاسکتا ہے کہ اگر تقوی و ایمان زندگی میں ہو تو پھر کھانے پینے کے معاملہ میں کوئی روک ٹوک نہیں حتّٰی کہ

شراب جیسی امّ الخبائث چیز کے پینے میں بھی! چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک شخص نے اس آیت کا حوالہ دے کر شراب نوشی کی تھی، حضرت عمرؓ نے اس کو خطاوار ٹھہراتے ہوئے فرمایا تھا کہ اگر تیرے اندر تقویٰ وایمان ہوتا تو اس سے اجتناب کرتا نہ یہ کہ اسے پینے کا ارتکاب کرتا۔(الموافقات للشاطبی:۱/۱۵۸)

محدث ابن خزیمہؒ المتوفی ۳۱۱ سنہ ھ فرماتے ہیں: کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں کتابوں میں یہ اثر منقول ہے کہ آپ نے ایک عیسائی عورت کے گھڑے کے پانی سے وضو فرمایا(توضأ فی جرّ نصرانیة) کسی پڑھنے والے نے "جرّ" کے لفظ کو "حرّ" پڑھ دیا جس سے انتہائی فحش معنی پیدا ہو گئے کیونکہ "جرٌ" کے معنی جیم سے تو گھڑے کے آتے ہیں جبکہ "حرّ" کے معنیٰ "حا" سے شرمگاہ کے آتے ہیں۔(تدوین حدیث:۱۸۸)

نافع بن الازرق المتوفی ۶۵ سنہ ھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے مجھے قرآن پاک کی آیات میں اختلاف سا محسوس ہوتا ہے وہ اس طور پر کہ:

(الف)ایک آیت میں ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو نہ اس دن ان کے درمیان رشتے باقی رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے(سورۃ المومنون:۱۰۱)اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے پوچھ پاچھ اور سوال وجواب نہیں کریں گے جبکہ دوسری آیت میں ہے: اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر سوال جواب کرنے لگیں گے(سورہ صٰفّٰت:۲۷)اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپس میں سوال جواب کریں گے۔

(ب)ایک آیت میں ہے کہ وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔(سورۃ النساء:۴۲)جبکہ دوسری آیت میں ہے کہ وہ اپنی حالت کو چھپاتے ہوئے یوں کہیں گے کہ اُس خدا کی قسم! جو ہمارا پروردگار ہے؛ ہم تو مشرک نہیں تھے۔(سورۃ الانعام:۲۳)

(ج) ایک آیت میں ہے کہ اس نے آسمان کو بنایا، اس کی بلندی اٹھائی پھر اسے ٹھیک کیا... اور زمین کو اس کے بعد بچھایا (سورۃ النازعات: ۲۷ تا ۳۰) اس سے معلوم ہوا کہ زمین کی پیدائش سے قبل آسمان کو اللہ نے پیدا کیا ہے جبکہ دوسری آیت میں ہے کہ کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا فرمایا... پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جب کہ وہ اس وقت دھویں کی شکل میں تھا (سورہ حم سجدہ: ۹-۱۱) اس میں آسمان کی پیدائش سے قبل زمین کی پیدائش کا تذکرہ ہے۔

(د) قرآن پاک میں جگہ جگہ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا، كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا، كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا، موجود ہے، اس سے عربی گرامر کے لحاظ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات سے سابق میں متصف تھے اب نہیں ہیں۔ (نعوذ باللہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اسی مجلس میں، ترتیب وار ان تعارضات کو نہایت خوش اسلوبی و بصیرت سے حل فرما دیا جو اس طرح ہے:

(الف) ایک دوسرے سے سوال جواب نہیں کریں گے پہلے صور کے موقع پر کیونکہ سب پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو ایسے مواقع آئیں گے کہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی!

(ب) آخرت میں جب اللہ تبارک و تعالیٰ اہلِ ایمان کی بخشش فرمائیں گے تو مشرکین کہیں گے کہ آؤ ہم بھی اپنی حالت کو چھپاتے ہوئے کہیں گے کہ ہم تو مشرک نہیں تھے شاید ہماری بھی بخشش ہو جائے اس موقع پر ان کے منہ پر مہر لگ جائے گی پھر ان کے ہاتھ اور اعضاء و جوارح بول پڑیں گے اور وہ اللہ سے کوئی چیز چھپا نہ سکیں گے!!

(ج) آسمان و زمین کی پیدائش کی ترتیب اصل میں یوں ہے کہ پہلے زمین کا مادہ پیدا

کیا گیا پھر آسمان کو بنایا سجایا گیا بعدازاں زمین کو بچھایا گیا یعنی پانی اور چارہ اس سے نکالا گیا پہاڑ اور ٹیلے اس پر پیدا کیے گئے اس اعتبار سے یہ کہنا بھی درست ہے کہ آسمان سے پہلے زمین کو پیدا کیا اور یہ کہنا بھی ٹھیک ہے کہ زمین کی بچھاوٹ آسمان کی پیدائش کے بعد ہوئی ہے۔

(د) اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کے بیان میں ”کان“ زمانۂ ماضی میں کسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس بات کو بتلانے کے لئے ہے کہ اللہ تعالی کی صفات ازلی ہیں۔(تفسیر قرطبی سورۂ آل عمران:۷)

بصیرت حاصل کرنے کا ایک ظاہری ذریعہ اہلِ بصیرت کی صحبت ہے،ان کی صحبت سے آدمی کو دین وایمان کے تعلق سے انشراحِ قلب کی نعمت نصیب ہوتی ہے،علمی وفکری فتنوں سے اس کے ایمان ویقین کی حفاظت ہوتی ہے اور حسنِ خاتمہ اس کو نصیب ہوتا ہے۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: میں تو اس زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو فرضِ عین کہتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ اس زمانے میں اہل اللہ اور خاصانِ حق (علمائے ربانیین) کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنے کے فرضِ عین ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے اس تعلق کے بعد بفضلہٖ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔(بصائر حکیم الامت:۱۴۶)

(۶) گناہ کاری

علم ایک نور اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفتِ علم کے تجلیات میں سے ہے، انسان کی زندگی میں تقویٰ وطہارت ہو، باطن کی پاکیزگی اور گناہوں سے دوری ہو تو علم کی برکتوں کا ظہور ہوتا ہے اور اس کا فکر وفہم سلامت رہتا ہے، اگر کوئی آدمی علم سے نسبت رکھتا ہو اور اس کی زندگی گناہوں سے پُر ہو اور اسوۂ حسنہ سے خالی ہو تو ایسی معلومات سے اس کے فکر وفہم کی ظلمتوں میں اور اضافہ ہوتا ہے اور وہ ایسے علم کے ذریعہ اللہ اور اس کے دین سے قریب ہونے کے بجائے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور اکثر اس کو بصیرتِ قلبی کے ماؤف ہونے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

امام شافعیؒ نے جب امام مالکؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر ان کی شاگردی اختیار کی تو امام مالکؒ نے پہلی ہی نظر میں ان کی ذہانت وفطانت اور فہم وذکاوت کو تاڑ لیا تھا اور ان کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ مجھ کو یوں نظر آتا ہے کہ اللہ نے تمہارے قلب پر نور کا القاء کیا ہے تو تم اس کو گناہ کی ظلمت سے نہ بجھانا۔ (الجواب الکافی لمن سال عن الدواء الشافی لابن القیم: ص: ۱۰۴-۱۴۸)

امام شافعیؒ سے خود منقول ہے کہ

شکوت الی وکیع سوء حفظی فارشدنی الی ترک المعاصی

واخبرنی بان العلم نور ونور اللہ لایھدی لعاص

میں نے حضرت وکیعؒ سے سوءِ حافظہ کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہوں کے چھوڑنے کی ہدایت دی اور مجھے یہ خبر دی کہ علم ایک نور ہے اور اللہ کا نور کسی نافرمان وگنہگار کو نہیں دیا جاتا۔ (دیوان الشافعی: ص: ۸۸)

علامہ ابن جماعہؒ فرماتے ہیں گناہوں سے بھرا ہوا سیاہ وتاریک دل سے ملائکہ کا

استقبال نہیں ہوسکتا اور اس میں اس علم کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی جو در حقیقت ایک نور ہے جسے اللہ اپنے پسندیدہ بندوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں۔(منطلقات طالب العلم:۱۷۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں روایات و معلومات کی کثرت کا نام علم نہیں علم تو ایک نور ہے جو دل میں ڈالا جاتا ہے۔(احیاء علوم الدین:۱/۴۹)

بسا اوقات آدمی رسمی علوم کے حصول و تحصیل سے محروم رہتا ہے مگر تقویٰ اور معاصی سے اجتناب کی وجہ سے اس کا قلب ایسا منور و روشن رہتا ہے اور اس کو منجانبِ اللہ علم کی ایسی کسوٹی مل جاتی ہے کہ وہ حق و باطل میں آسانی سے تمیز کر لیتا ہے، شیخ عبدالعزیز دباغ المتوفی ۱۱۳۲ھ کو باوجود امّی (ناخواندہ) ہونے کے ایسا روشن دل و دماغ عطا ہوا تھا کہ وہ عام احادیث اور احادیثِ قدسیہ کے درمیان فرق کر لیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ان دونوں کے انوار الگ الگ ہیں اسی طرح صحیح احادیث کو موضوع احادیث سے الگ کر دیتے تھے اور فرماتے کہ موضوع میں نورِ نبوت نہیں ہے۔(انوار الباری:۱/۳۱)

صاحب مجمع البحرین علامہ ابن الساعاتی الحنفی المتوفی ۶۹۴ھ فرماتے ہیں: مسائلِ شرعیہ کی تحقیق میں جس ذریعہ سے رحمتِ الٰہیہ کا فیضان ہوتا ہے؛ وہ اللہ عزوجل کی اطاعت و فرمانبرداری ہے اور تقویٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اللہ سے ڈرتے رہو اللہ تم کو علم سے نوازتے ہیں(البقرہ:۲۸۲)اس کے برخلاف جو آدمی فقہ کے دقائق اور خزانوں کے نکالنے کے سلسلے میں اپنی رائے اور ذہن پر اعتماد کرتا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ گناہوں میں بھی ڈوبا ہوا ہو تو ایسا آدمی رسوائی کی گھاٹ اترتا ہے اس نے ایسی چیز پر اعتماد کیا جو لائقِ اعتماد نہیں، جس کو اللہ نے روشنی سے نہ نوازا ہو اس کے لیے کوئی روشنی نہیں۔(سورۃ النور:۴۰)(فتاویٰ شامی، کتاب القضاء:۵/۳۵۹)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب فرماتے ہیں: علم کی حقیقت کہ احکام کو صحیح صحیح سمجھ جائیں؛ میں بقسم کہتا ہوں کہ وہ بدونِ تقوی کے نصیب نہیں ہوتا اگر دو آدمی ہم عمر ہوں اور ایک ہی استاد سے انہوں نے پڑھا ہو اور فہم و حافظہ میں بھی برابر ہوں لیکن فرق یہ ہو کہ ایک متقی ہو اور ایک نہ ہو تو متقی کے علم میں جو برکت اور نور ہوگا اور جیسا فہم اس کا صحیح ہوگا اور جیسے حقائقِ حقّہ اس کے ذہن میں آئیں گے ، وہ بات غیر متقی میں ہر گز نہیں ہوگی اگر چہ اصطلاحی عالم ہے اور کتابیں بھی پڑھا سکتا ہے مگر خالی اس سے کیا ہوتا ہے۔ (العلم والعلماء: ۱۵۵)

(۷)ذہنی مرعوبی

انسان کی عقل اوراس کا شعور وذہن جب تک شرع کے تابع رہے تو وہ اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی باتیں پیش کرتا ہے اور دینِ اسلام کی خدمت وتبلیغ کرتا ہے لیکن جب مختلف عوامل ومحرکات کے نتیجے میں اس کا ذہن اپنے زمانے کے نظریات کا تابع ہوجائے تو وہ اللہ ورسول ﷺ کی شریعت کو اِن نظریات کا ماخذ قرار دیتا ہے اور قرآنی آیات اور نبی ﷺ کے فرمودات کو اِن نظریات پر منطبق کرنا شروع کردیتا ہے، اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اصل شریعت کی شکل وصورت مسخ ہوکررہ جاتی ہے اور آیات واحادیث کے مطالب کا خون ہوکررہ جاتا ہے، بسا اوقات حکومتِ وقت کی طاقت کے آگے بھی آدمی مرعوب ہوجاتا ہے اوراس کی رعایت میں شرعی احکام میں یا تو مداخلت کرتا ہے یا تحریف ہی کرڈالتا ہے، لیکن اگر دین کے حقیقی سرچشموں سے آدمی کا رشتہ مضبوط ہواوراس نے علمائے ربانیین کی صحبت اٹھائی ہوتو پھروہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مقابلہ میں نہ کسی نظریہ کوخاطر میں لاتا ہے اور نہ ہی کسی طاقت اور حکومت کو!

مامون الرشید المتوفی ۲۱۸ھ کے عہدِ حکومت میں فتنہ خلقِ قرآن نے سراُبھارا تھا، اس فتنے کوسرکاری سرپرستی حاصل تھی، خود مامون الرشید اس مسلک کا داعی وحامی تھا، خلقِ قرآن کے اس نظریہ نے اس دور کے علماء وعوام کی اکثریت کو اسیر کررکھا تھا لیکن اس وقت بھی عالی ہمت اور عالی نظر علماء کا ایسا گروہ موجود تھا جو اس نظریہ سے بالکل بھی مرعوب نہ ہوا تھا شیخ عبدالعزیز مکیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا نامِ نامی اس حوالے سے پیش پیش ہے، اس سلسلے میں مامون الرشید کے دربار میں شیخ عبدالعزیز مکیؒ اور معتزلی عالم بشر المریسی کا ایک دلچسپ مناظرہ ہوا تھا؛ بشر مریسی نے کہا: کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: اللہ ہر چیز کے

خالق ہیں ۔(سورۃ زمر:۶۲) قرآن پاک بھی ایک شئ ہے،لہذا اللہ اس کے بھی خالق ہیں اورقرآن مخلوق ہے،اس کے جواب میں شیخ عبدالعزیز مکیؒ نے ان آیات کو پڑھنا شروع کیا جن میں اللہ تعالی نے اپنی ذات کے لیے" نفس" کا لفظ استعمال فرمایا ہے جیسے اللہ تم کو اپنے نفس سے ڈراتے ہیں ۔(سورہ آل عمران:۳۰) تمہارے پروردگار نے اپنے نفس پر رحمت کو لکھ دیا ہے یعنی اپنے مہربان ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے ۔(سورۃ الانعام:۵۴)(حضرت عیسیٰ بروزِ قیامت کہیں گے) آپ تو اس بات کو بھی جانتے ہیں جو میرے نفس (دل) میں ہے اور جو آپ کے نفس میں ہے میں اسے نہیں جانتا (سورۃ المائدہ:۱۱۶) یہ آیتیں سنا کر عبدالعزیز مکیؒ نے مامون کے سامنے بشر المریسی سے اوّل یہ اقرار کروایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان میں اپنی ذات کے لیے نفس کا لفظ استعمال فرمایا ہے پھر اس کے ساتھ اس آیت کو جوڑا کے ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے (سورۃ العنکبوت:۵۷) پھر اس کے بعد پوچھا بتاؤ؛ موت کا مزہ چکھنے والے نفوس میں کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کا نفس بھی داخل ہے؟ یہ استدلال سن کر مامون الرشید چیخ پڑا اور معاذ اللہ! کہا، حضرت عبدالعزیز مکیؒ نے فرمایا کہ جس طرح کل نفس ذائقۃ الموت کے عموم سے اللہ کے نفس کو الگ کرلیا جاتا ہے اسی طرح اللہ خالق کل شیء کے عموم سے قرآن پاک بھی علٰحیدہ کرلیا جائے گا، کیونکہ قرآن کلام اللہ ہے اور کلام؛ اللہ کی صفت ہے مخلوق نہیں ۔(منہج علماء الحدیث والسنۃ فی اصول الدین:۱۳۱-الرد علی الجھمیۃ والزنادقۃ للامام احمد بن حنبل:۱۱۵)

شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلامؒ المتوفی ۶۶۰ ؁ھ کے زمانے کے امراءِ سلطنت کسی وقت بیت المال کی ملکیت تھے مگر اب تختِ حکومت پر قابض ہو چکے تھے، حضرت شیخ نے یہ فتویٰ دیا کہ جب تک یہ امراء شرعی طریقے پر آزاد نہ ہوں اور بیت المال کی طرف سے

ان کی نیلامی نہ ہواس وقت تک ان کے معاملات (لین دین وغیرہ) شرعاً صحیح نہیں ہیں اور وہ عام غلاموں کے حکم میں ہیں؛ شیخ الاسلام کے اس بے لاگ فتوے سے مصر کے طول وعرض میں کھلبلی مچ گئی تھی ،لیکن بالآخر حکومتِ وقت کو ان کے فتوے کے آگے جھکنا پڑا اور امراءِ سلطنت کی سرِ بازار نیلامی ہوئی اور خود حضرت شیخ نے بھاری بولی دے کران کو خریدا اور پھر آزاد کرکے ان کی حیثیت کو بحال فرمایا۔(تاریخ دعوت وعزیمت ملخصا:۱/ ۳۶۸)

علامہ جوہر طنطاویؒ المتوفی ۱۳۵۸ھ ماضی قریب کے ایک نامور مفسر گزرے ہیں؛انہوں نے تفسیر الجواہر کے نام سے ایک تفسیر لکھی تھی جس میں انہوں نے اپنے دور کے سائنسی نظریات کوقرآن کی آیات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ، یہ تفسیر چھپ کر بازار میں آئی تو علامہ یوسف بنوریؒ کی نظر سے بھی گزری اور آپؒ نے اس کا ناقدانہ مطالعہ فرمایا؛ بعد میں کسی موقع پر صاحبِ تفسیر سے ملاقات ہوئی اور باہم تعارف ہواتو صاحبِ تفسیر نے علامہ یوسف بنوریؒ کی زبان سے اپنی تفسیر کے بارے میں تبصرہ سننا چاہا،علامہ یوسف بنوریؒ نے ان کی اس کوشش کی اِس لحاظ سے توتحسین فرمائی کہ سائنسی نظریات عربی زبان میں منتقل ہوگئے اور علماء کوان سے واقف ہونے کی صورت نکل آئی لیکن فرمایا کہ اصولی اعتبار سے مجھے اس طریقۂ تفسیر سے اختلاف ہے کیوں کہ سب کومعلوم ہے کہ سائنس کے نظریات آئے دن بدلتے رہتے ہیں آج جس نظریہ کو قرآن سے ثابت کیا گیا ہے ہوسکتا ہے کل وہ خود سائنسدانوں کے نزدیک غلط ثابت ہوجائے ایسی صورت میں عام لوگوں کا ذہن قرآن پاک کی حقانیت کےتعلق سے خراب ہوجائے گا!!

علامہ طنطاویؒ پر اس تبصرہ کا ایسا اثر ہوا کہ بے اختیار بول اٹھے: "ایھا الشیخ لست عالماھندیا وانما انت ملک انزل اللہ من السماء لاصلاحي"

مولانا آپ کوئی ہندوستانی عالم نہیں ہیں بلکہ آپ کوئی فرشتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میری اصلاح کے لئے نازل کیا ہے۔(نقوش رفتگان ملخصا:۹۱)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں:

قرآن میں اس کے مسائل، سائنس پر مشتمل ہونے کی کوشش کرنا، جیسا کہ آج کل اخباروں اور پرچوں میں اس قسم کے مضامین دیکھنے میں آتے ہیں کہ جب اہلِ یورپ کی کوئی تحقیق، متعلق سائنس کی دیکھی سنی، جس طرح بَن پڑا اس کو کسی آیت کا مدلول بنا دیا اور اس کو اسلام کی بڑی خیر خواہی اور قرآن کے لئے بڑی فخر کی بات اور اپنی بڑی ذکاوت سمجھتے ہیں اور اس غلطی میں بہت سے اہلِ علم کو بھی مبتلا دیکھا جاتا ہے اور اس میں ایک غلطی تو یہی ہے کہ قرآن کے لئے مسائلِ سائنس پر مشتمل ہونے کو قرآن کا کمال سمجھا اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ قرآن کے اصل موضوع پر نظر نہیں گئی، قرآن اصل میں نہ سائنس کی کتاب ہے، نہ تاریخ کی، نہ جغرافیہ کی، وہ ایک کتاب ہے اصلاحِ ارواح کی ...دوسری غلطی یہ ہے کہ ایسے مسائل (جو اصلاحِ ارواح میں سے نہیں ہیں) قرآن کے مقاصد میں سے نہیں بلکہ مقدماتِ مقصود سے ہیں...تیسری خرابی اس میں یہ ہے کہ یہ تحقیقات کبھی غلط بھی ثابت ہوتی رہتی ہیں، سو اگر ان کو قرآنی مدلول بنایا جائے تو اگر کسی وقت کسی تحقیق کا غلط ہونا ثابت ہو گیا..تو اس وقت ایک ادنیٰ ملحد تکذیبِ قرآن پر نہایت آسانی سے قادر ہو سکے گا کہ قرآن کا یہ مضمون غلط ہے... چوتھی خرابی اس میں یہ ہے جو بالکل ہی غیرت کے خلاف ہے کہ اس صورت میں محققانِ یورپ یہ کہیں کہ دیکھو قرآن کو نازل ہوئے اتنا زمانہ ہوا مگر آج تک کسی نے یہاں تک کہ خود نبی نے بھی نہ سمجھا، ہمارا احسان مانو کہ تفسیر ہماری بدولت سمجھ میں آئی تو اس کا کیا جواب ہو گا؟!(الانتباہات المفیدہ،ص:۴۲ تا ۴۴)

(۸) باطل پرستی

کوئی آدمی اپنا مشن اور نصب العین ہی باطل وغلط نظریات کی ترویج کو بنالے تو پھر اس کی فکر وفہم کی سلامتی کی بحث ہی فضول رہ جاتی ہے، یہ ہر ایک کا اپنا اپنا انتخاب ہے، کوئی حق کا علمبردار بنتا ہے تو کوئی باطل کا آلۂ کار بنتا ہے، اس جہاں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر ایک کو ایک گونہ فکر وعمل کی آزادی دے رکھی ہے، اگر کوئی اس سے غلط فائدہ اٹھا کر اپنے اعمال کا دفتر سیاہ کرتا ہے اور ضلوا واضلوا (خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا) کا مصداق بنتا ہے تو اس کا اپنا نصیب ہے، جو لوگ ایمان نہیں لائے انہوں نے باطل کی پیروی کی اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے حق کی پیروی کی جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں سے ان کے حالات بیان فرماتے ہیں۔ (سورۃ محمد: ۳)

علامہ بدرالدین زرکشی المتوفی ۹۴ےھ امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص "دین آسان ہے" کا عنوان دے کر ہر جگہ کی کمزور باتوں کو اپنا مسلک ومشرب بنالے تو وہ بددین اور فاسق آدمی ہے۔ (البحر المحیط: ۸ / ۳۸۲)

امام جرح وتعدیل حضرت یحییٰ القطانؒ المتوفی ۱۹۸ھ نے فرمایا: اگر کوئی آدمی سماع (گانا حلال ہونے) کے مسئلہ میں اہلِ مدینہ کے قول کو اختیار کرے اور نبیذ (کھجور یا انگور سے مخلوط مشروب جس کی زیادہ مقدار پینے کی صورت میں نشہ بھی ہوسکتا ہے) کے جائز ہونے میں اہلِ کوفہ کے قول کو اختیار کرے اور متعہ کے مسئلہ میں اہلِ مکہ کے قول کو اختیار کرے تو وہ فاسق وبددین آدمی بلکہ حضرت معمرؒ کے بقول اللہ کے بندوں میں بدترین آدمی ہے۔

(المسودۃ فی اصول الفقہ لابن تیمیہ: ۵۱۸-۵۱۹ فصل اذا جوز للعامی ان یقلد من شاء)

امیر حامد بن العباس المتوفی ۳۱۱ھ نے اپنے ایوانِ وزارت میں علی بن عیسیٰ

المتوفی ۳۴۴ سنہ ھ سے شراب سے بنی دوا کے بارے میں پوچھا علی بن عیسیٰ نے جواب کوٹال دیا اور معذرت کردی، اب حامد بن العباس قاضی القضاہ ابوعمر المتوفی ۳۲۰ سنہ ھ کی طرف متوجہ ہوا تو قاضیٔ مذکور نے امیر کے منشاء وخواہش کو مدنظر رکھ کر قرآنی آیات واحادیث کو جوڑتوڑ کر فوری مسئلہ بتا دیا کہ اس طرح کی دوا استعمال کرنے کی اجازت ہے، قاضیٔ مذکور نے یوں استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: اور رسول تم کو جو کچھ دیا کریں اسے لے لو اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ (سورۃ الحشر: ۷) اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے: مختلف صناعات وحرفتوں میں اُن کے اہل لوگوں سے مدد حاصل کرو، زمانہ جاہلیت میں اَعشیٰ اس فن کا ماہر گزرا ہے اور زمانۂ اسلام میں ابونُوَاس (بضم النون وتخفیف الواو والعامۃ تقول نوّاس بفتح النون وتشدید الواو۔ تصحیح التصحیف ۱ / ۵۲۵) اس میدان کا آدمی گزرا ہے اور دونوں ہی نے اپنے اشعار میں اس قسم کی دوا کی تعریف کی ہے اس لئے شراب سے بنی دوا پینے میں کوئی برائی نہیں۔ (درۃ الغواص فی اوھام الخواص للحریری المتوفی ۵۱۶ سنہ ھ، ص: ۱۴۳، ط: ۱۹۸۸ سنہ ء ناشر مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت - قواعد التفسیر خالد بن عثمان السبت: قاعدۃ الادلۃ علی الاحکام اما ان تؤخذ ما خذ الافتقار الخ ص: ۷۶۹)

موجودہ زمانہ میں ایسے بہت سے دانشور میدان اور میڈیا میں دکھائی دیتے ہیں جو قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر اور احادیث کے حوالے دے دے کر اپنی بات رکھتے ہیں، لوگ ان کی باتوں میں آجاتے ہیں اور ان کو یہ پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ان دانشوروں نے کس فاسد قسم کے استدلالات پر اور کس آب خوردہ کھائی کے کنارے پر اپنی مسلکی عمارت کی بنیاد رکھی ہے؟!

اللہ تبارک وتعالیٰ کا برحق ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (قرآن) کے ذریعہ بہتوں کو

گمراہ کردیتے ہیں اور بہتوں کو ہدایت عطا فرماتے ہیں۔

(سورۃ البقرہ:٢٦ - صفوۃ التفاسیر:١/٣٨)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں:

واللہ اہلِ باطل کی کتابوں کا اثر بعض علماء پر بھی ہوجاتا ہے تو عوام کی ان کے مطالعہ سے کیا حالت ہوگی، لہٰذا عوام کوئی کتاب علماء کے مشورہ کے بغیر ہرگز نہ دیکھنا چاہیے اور اگر کوئی کہے کہ میں رد کے لئے دیکھتا ہوں یہ بھی مناسب نہیں کیوں کہ یہ کام علماء کا ہے، تمہارا کام نہیں اور اس میں آپ کی توہین نہیں۔

(التبلیغ وعظ القرآن، ص:٥٩)

(۹) بے توفیقی

توفیق اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے، توفیقِ خداوندی شاملِ حال نہ ہو تو اسبابِ خیر رکھ کر بھی انسان کورا اور محروم رہ جاتا ہے، علمائے عقائد نے توفیق کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ: توجیہ الاسباب نحو المطلوب الخیر، اسباب کو مطلوبِ خیر کی طرف پھیر دینا یعنی رکاوٹ اور موانع دور کر کے اسباب کو مطلوب کے موافق اور مساعد کر دینا، (دستور العلماء: ۱/ ۲۴۹ باب التاء مع الواو) اس کی سادہ مثال یوں ہے کہ آپ نے نماز کے لیے مسجد جانے کی ساری تیاری کر لی لیکن راستہ میں ایک شخص مل گیا جس نے باتوں میں لگا لیا اور آپ کی جماعت چھوٹ گئی تو آپ نے جو اسباب مسجد جانے کے لیے تیار کیے وہ نتیجہ خیز نہ ہو سکے کیوں کہ اللہ کی توفیق شاملِ حال نہ ہوئی حاصل یہ کہ بندہ کے اختیار میں اسباب کو اپنانا ہے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کا ان اسباب کو نتیجہ کے موافق کر دینا جس سے بندہ کا مقصد پورا ہو جائے "توفیق" ہے۔ (دارالافتاء دیوبند آن لائن جواب نمبر: 147361)

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: پھر کیا تم نے اسے بھی دیکھا ہے جس نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنا لیا ہے اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گمراہی میں ڈال دیا اور اس کے کان اور آنکھ پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا! اب اللہ کے بعد کون ہے جو اسے راستے پر لائے کیا پھر بھی تم لوگ سبق نہیں لیتے۔ (سورۃ جاثیہ: ۲۳)

امام غزالیؒ نے یہ روایت نقل فرمائی کہ توفیق کا تھوڑا حصہ کثیر علم سے بہتر ہے۔ (احیاء علوم الدین: ۱/ ۳۱)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تبارک وتعالی جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دین میں تفقہ اور سمجھ بوجھ عطا فرماتے ہیں (بخاری: باب من یرد اللہ بہ خیرا: ۱/ ۷)

آدمی کو مسلسل اللہ تبارک وتعالی سے علم وتفقہ اور توفیقِ خیر مانگتے رہنا چاہیے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ملتی ہے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ تَوْفِيْقَ اَهْلِ الْهُدٰى وَاَعْمَالَ اَهْلِ الْيَقِيْنِ وَمُنَاصَحَةَ اَهْلِ التَّوْبَةِ۔

(المعجم الاوسط الطبرانی: ۲۳۱۸)

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آپ علیہ السلام صبح کی نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا فرماتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا طَيِّبًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا (مسند احمد: ۲۶۷۳۱) علامہ ابن قیمؒ اپنے جلیل القدر استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جب کبھی ان کے سامنے مشکل مسائل پیش ہوتے تو وہ فوراً اللہ کی طرف رجوع ہوتے، انابت واستغفار فرماتے، توفیقِ صواب مانگتے، کبھی بے قرار ہوکر کہتے: یَامُعَلِّمَ اِبْرَاهِيْمَ عَلِّمْنِيْ!! بس پھر کیا ہوتا، مددِ الٰہی بارش کی طرح اترنا شروع ہوجاتی اور فتوحاتِ الٰہیہ کا فیضان ہونے لگتا اور بڑے سے بڑے مسائل حل ہوجاتے۔

(اعلام الموقعین ۴ / ۲۲۲-۳۲۵)

یہ توفیقِ الٰہی کے کرشمے ہیں لیکن جب بے توفیقی کسی کا مقدر بن جائے تو پھر اس کی بدنصیبی کا کیا پوچھنا!

قدیم ہندوستان میں دربارِ اکبر میں یہی کچھ ہوا تھا، بے توفیق علماء کی سرپرستی میں دینِ الٰہی کی بنیاد ڈالی گئی تھی اور بے ہودہ قسم کے دلائل کے ذریعہ شرائعِ اسلام کی دھجیاں بکھیری گئی تھیں، داڑھی رکھنے کے حرام ہونے کو ان دو عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا تھا:

عقلی دلیل: داڑھی کے بال کی سیرابی خصیتین سے ہوتی ہے اور ان ہی سے داڑھی پانی لیتی ہے پھر اس کے رکھنے میں کیا ثواب ہوسکتا ہے!

من گھڑت نقلی دلیل: ایک صحابی کے صاحبزادے داڑھی منڈائے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بہشت والوں کی یہی صورت ہوگی۔(وضّاعین پر اللہ کی لعنت ہو)

اس دینِ جدید کا ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ ناپاکی کی وجہ سے غسل کے فرض ہونے کا مسئلہ منسوخ کردیا گیا اس لئے کہ منی نیک لوگوں کی پیدائش کا تخم ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ پہلے آدمی غسل کرے بعد اس کے ہم بستر ہو، دربارِ اکبری میں ان بے توفیق علماء ودانشوران میں مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری، مولانا عبدالنبی، ملا مبارک ناگوری، اور اس کے شہرۂ آفاق صاحبزادے ابوالفضل وفیضی بھی شامل تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے باطن مسخ اِن علماء واسکالرس ومفکرین کے درمیان امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۳۴ھ کو اپنے دین کی حفاظت و تجدید کے لئے کھڑا کیا اور ان سے وہ تجدیدی کارنامہ لیا کہ اگلے ہزار سالوں تک گویا دین کی تجدید ہوگئی۔(تذکرہ مجدد الف ثانیؒ:۶۶،۸۱،۸۲،،۸۳)

(۱۰) اہلِ طریق سے دشمنی

اولیاء اللہ جنہیں صوفیاء کرام بھی کہا جاتا ہے ان کے سلسلہ میں بدزبانی اور سخت کلامی کرنے سے بھی بندے کا فہم خبط ہوجاتا ہے، جو عامی یا عالم ان کے درپئے آزار ہوجاتا ہے اکثر اس کی عاقبت خراب ہوجاتی ہے؛

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اور اللہ تقویٰ والوں کے دوست ہیں۔ (سورۃ الجاثیہ:۱۹)

نبی پاک ﷺ فرماتے ہیں: کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کہ جس کسی نے بھی میرے کسی ولی سے دشمنی مول لی تو میں اس کے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہوں ۔(بخاری شریف:۶۵۰۲)

شیخ عبدالغنی نابلسیؒ المتوفی ۱۱۴۳ھ نقل فرماتے ہیں کہ جو آدمی اولیاء اللہ کی عزتوں کو اچھالتا ہے یا ان کو برا بھلا کہتا ہے یا ان پر اعتراضات کر کے زبان درازی کرتا ہے تو وہ پروردگار عالم سے جنگ کے نشانہ پر ہوتا ہے کیوں کہ نبی پاک ﷺ سے یہ حدیثِ قدسی منقول ہے کہ جس نے میرے کسی ولی کو ایذا دی تو میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں! اور جس سے اللہ خود جنگ کرے اس کی کمر کو اللہ توڑ ڈالتے ہیں اور اس کو ہلاک فرما دیتے ہیں، یہ بات اچھی طرح یاد رہے کہ ایسے شخص کا ہلاک و برباد ہونا یقینی ہے البتہ اس کی شکلیں مختلف ہوسکتی ہیں، کسی ایذاء دہندہ کے جسم وجان پر مصیبت آ پڑتی ہے، کسی کے قلب و باطن پر تباہی آتی ہے، دل اندھا ہوجاتا ہے روشنی مٹ جاتی ہے اور زنگ کی تہہ اس پر بیٹھ جاتی ہے اور دبیز پردے دل پر چھا جاتے ہیں اور وہ بارگاہِ خداوندی سے مردود، اس کی رحمت سے دور اور کھلم کھلاّ گناہوں میں مبتلا ہوجاتا ہے اور توبہ کی توفیق بھی اس سے سلب ہوجاتی ہے، کبھی

ہلاکت وعذاب کوکسی خاص وقت کے لیے مؤخر کر دیا جاتا ہے، اور بہت کم ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی اور نیکی کی برکت سے اس پر لطف فرما دیتے ہیں اور اسے اس ولی کا گرویدہ اور عاشقِ زار بنا دیتے ہیں۔

عارف باللہ سید عبدالغفار القوصؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: اللہ کے ولیوں یا اللہ کی طرف نسبت رکھنے والوں کو تکلیف وایذاء دینا ایسی عظیم ترین مصیبت ہے جو آدمی کو اللہ کی رحمت سے دور کر دیتی ہے اور دنیا وآخرت میں شقاوت وبدبختی سے دوچار کر دیتی ہے، ہم نے اس مقدس گروہ پر انکار کرنے والے کو کبھی کامیاب وبامراد ہوتے نہیں دیکھا اور وہ کامیاب ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ وہ اولیاء اللہ کے ساتھ بدگمانی میں مبتلا ہے۔

شیخ عبدالغفار ایک خدارسیدہ بزرگ تھے، ایک دفعہ گھر میں وہ تنہا تھے، چور داخل ہوا اور اس نے حضرت شیخ کو پریشان کر دیا ابھی وہ باہر نکلا ہی تھا کہ فوری پکڑا گیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

شیخ علوانؒ فرماتے ہیں: اگلے زمانے میں ایک عالم تھا جس کے علم کا شہرہ تھا اور سلاطین کا مقرب بھی تھا مگر وہ بعض اہل اللہ عارفین کے معاملہ میں بے ادب اور بدسلوک تھا اخیر وقت میں اسلام سے مرتد ہو کر (نعوذ باللہ) نصرانیت پر مرا۔

(جمع الاسرار ومنع الاشرار عن الطعن لصوفیۃ الاخیار للنابلسی: ۵۲-۵۳)

علمائے محققین کا کہنا ہے کہ اگر کسی عارف وولی جس کی ولایت ومعرفت معاصر علمائے ربانیین کے یہاں ثابت ہو، اس سے اگر کسی ایسی حالت یا بات کا صدور ہوتا ہے جو بظاہر خلافِ شرع معلوم ہوتی ہو تو اس کی بنا پر نہ اس کی تکفیر وتضلیل کرنی چاہیے نہ ہی اس کی پیروی واتباع کرنی چاہیے بلکہ اس کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے، حضرت خضر علیہ

السلام کے واقعہ سے بھی جو قرآن پاک میں مذکور ہے اس کی دلیل ملتی ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ارشاد گرامی ہے: میری امت کے عارفین (جن کے ساتھ عالمِ غیب کی باتیں کی جاتی ہیں) ان کے حال پر چھوڑ دو نہ ان کو (اپنے فتوے سے) جنت میں نازل کرو اور نہ دوزخ میں۔ (کنز العمال: ۱۲۱)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: حدیث گو سنداً ضعیف ہے مگر اس کا مضمون (متعدد) آیاتِ قرآنیہ سے متاید ہے، **ولا تقف ما لیس لک به علم**: اور تم کو جس بات کی تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑ جایا کرو۔ (سورۃ الاسراء: ۳۶)

إن يتبعون الا الظن وان الظن لا يغني من الحق شيئا

وہ محض بے بنیاد گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور ایسا وہم و گمان حق کے معاملہ میں کچھ کام نہیں آتا۔ (سورۃ النجم: ۲۸)

بل كذبوا بما لم يحيطوا بعلمه بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس بات کو وہ سمجھ نہیں پائے اور جس کی حقیقت ابھی ان کے سامنے آئی ہی نہیں ہے وہ اس کو جھٹلا رہے ہیں۔

(سورۃ یونس: ۳۹)، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے (بوادر النوادر: ۲/ ۴۰ ۴۴ باونواں نادرہ)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: بعض عارفین کا قول ہے کہ جس کو علمِ باطن سے کچھ میسر نہیں، اس کے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے اور ادنیٰ حصّہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق اور تسلیم تو کرتا ہو؛ منکر کی یہی کافی سزا ہے کہ وہ اس سے محروم رہے۔

(بصائر حکیم الامت: ۹۷)

حصۂ دوم

جاوید احمد غامدی کے بعض نظریات کا جائزہ

اور

جمعہ کے منبر و محراب کے تعلق سے

اُن کے ایک بیان پر تبصرہ

جاوید احمد غامدی کے بعض نظریات کا جائزہ

جاوید احمد غامدی دورِ حاضر کے ایک معروف دانشور اور میڈیا کی دنیا کے اسلامک اسکالر ہیں، برِّصغیر کا ماڈرن اردو داں طبقہ ان کی جادو بیانی کا بڑا اسیر و دلدادہ ہے، موصوف کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر کچھ اس طرح کی مہارت ہے کہ بات کتنی ہی بے بنیاد اور غلط ہو، وہ بہرحال بے خبر سامعین کے ذہن و دماغ میں اپنے نظریات کا افیون گھول دیتے ہیں، اپنے نشری بیانات میں مسلّماتِ دین اور امت کے اجماعی مسائل کو ایسے بااعتماد لب ولہجہ میں مسترد کردیتے ہیں کہ ایک لمحہ کے لیے عامی تو کُجا عالم کے ذہن سے بھی بسا اوقات اس کا مخالف پہلو اوجھل ہوجاتا ہے، اور وہ بھی جاوید احمد غامدی کی باتوں کو دین برحق سمجھنے لگتا ہے، خطابت اور زور بیانی کی اس صنف کا قرآن وحدیث میں بھی اشارہ ملتا ہے، سورہ ص میں حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرہ کے ذیل میں یہ بات ملتی ہے کہ ایک فریق ناحق ہوتے ہوئے بھی محض اپنی خطابت کے زور سے دوسرے فریق پر غالب آگیا تھا، قرآن پاک کے الفاظ ہیں: وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ (اوراس نے زورِ بیان سے مجھے دبالیا ہے)(سورہ ص: ۲۳)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے دوران فرمایا تھا جس کا مفہوم یہ ہے: ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک فریق چالاک و چرب زبان ہوتو اگر اس طریقہ سے اس کے پاس دوسرے فریق کا حق آگیا ہوتو درحقیقت اس کو دوزخ کا ایک ٹکڑا ملا ہے۔

(صحیح بخاری، باب من اقام البینۃ بعد الیمین: ۲۶۸۰)

اردو انشا پردازی میں بھی آں موصوف کو سلیقہ و کمال حاصل ہے، ان کی تحریروں میں الفاظ جستہ، جملے برمحل اور عبارت شگفتہ ہوتی ہے، اشعار ومحاورات کے برموقع استعمال کا ہنر بھی ان کو آتا ہے، اس حوالے سے ان کو اردو زبان کا ابن المقفع بھی کہا جاسکتا ہے،"میزان"

اور" برہان" نام کی ان کی دو کتابیں عام دستیاب ہیں، شاید دسیوں ایڈیشن اس کے نکل چکے ہیں، مگر ان کے مطالعہ کے بعد اس تکلیف دِہ حقیقت کا اظہار کرنے پر ہم مجبور ہیں کہ میزان اور برہان، کفریات وانحرافات کا ایک منقش دفتر ہے، جہاں ایمان وکفر کی سرحدیں برابر کر دی گئی ہیں، ہزار صفحات کی اس قلمی کاوش میں تناقضات وتعارضات کے علاوہ علمی بے راہ روی کے وہ سارے مظاہر ونظائر موجود ہیں جن کی طرف سابق میں ہم نے تفصیلی کلام کیا ہے؛ اب موقع ہے کہ میزان و برہان اور اُن کی بعض دیگر تحریرات سے ایسے تراشے ناظرین کے سامنے پیش کیے جائیں جن سے ہمارے دعوے کا ثبوت ہوتا ہے۔

جاوید احمد غامدی کی تحریرات میں علمی بے راہ روی کے نمونے

نمونہ نمبر(۱): اخبارِ آحاد جنہیں بالعموم حدیث کہا جاتا ہے...دین میں ان سے کسی عقیدہ وعمل کا بھی اضافہ نہیں ہوتا۔(میزان:۱۵)

تبصرہ: حالاں کہ خدا تعالیٰ تو یہ کہتا ہے کہ ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لئے اتارا ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کردیں جو ان کے لیے اتاری گئی ہیں۔(سورۃ النحل:44)

نمونہ نمبر(۲): قرآن کی ایک ہی قرأت ہے، باقی (قرأتیں)"فتنوں" کی"باقیات"ہیں۔(میزان:۳۲)

تبصرہ: حالاں کہ صاحبِ قرآن ﷺ کا فرمان ہے: کہ یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے پس ان میں سے جو تمہارے لئے آسان ہو اس طریقہ سے پڑھ لو۔(صحیح بخاری مع القسطلانی:۷/۴۵۳)

نمونہ نمبر(۳): حدیث سے قرآن کے نسخ اور اس کی تحدید وتخصیص کا مسئلہ (بالفاظِ دیگر حدیث سے قرآن پاک کی تفسیر وتبیین کرنے کا مسئلہ) سوءِ فہم اور قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے، نبی ﷺ کا یہ ارشاد بھی قرآن کے مدعا میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں کرتا۔(میزان:۳۵-۴۰)

تبصرہ: قرآن کا نازل کرنے والا اللہ کہتا ہے: اور ہم نے تم پر یہ کتاب اس لیے اتاری ہے تاکہ تم ان کے سامنے وہ باتیں کھول کھول کر بیان کردو جن میں انہوں نے مختلف راستے اپنائے ہوئے ہیں۔(سورۃ النحل:٦٤)

نمونہ نمبر(۴): وراثت کا حق جس بنیاد پر قائم ہوتا ہے وہ قرابتِ نافعہ

ہے۔(کفر موانعِ ارث میں سے نہیں ہے لہذا اب کے زمانے میں کافر و مؤمن آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں)

تبصرہ: قرآن پاک کہتا ہے مؤمن لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا یار و مددگار نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔

(سورۃ آل عمران:۲۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: نہ مسلمان کافر کا وارث بنتا ہے اور نہ ہی کافر مسلمان کا۔(بخاری:۶۷۶۴)

نمونہ نمبر(۵): غلبۂ حق، استخلاف فی الارض اور جہاد و قتال کی آیات .....انذارِ رسالت کے مخاطبین کے ساتھ کوئی خاص قانون ہے جواب لوگوں کے لیے باقی نہ رہا۔(میزان:۴۹)

تبصرہ: گویا قرآن پاک کا ایک معتد بہ حصہ اب منسوخ ہو چکا ہے، کمال ہے؛ حدیث سے تو قرآن پاک کا نسخ سوءِ فہم اور قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے مگر آں جناب کی رائے عالی اس باب میں ناسخ ہو سکتی ہے۔

نمونہ نمبر(۶): بعض کھانے، خاص وضع قطع کا لباس ان میں سے کوئی چیز بھی سنت نہیں۔(میزان:۵۷)

تبصرہ: قرآن علی الاطلاق کہتا ہے: حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔(الاحزاب:۲۱) میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔(آل عمران:۳۱)

نمونہ نمبر(۷): یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ایک دن دوزخ کی بساط لپیٹ دی

جائے۔(میزان:۱۹۱)

تبصرہ: جبکہ قرآن کہتا ہے: اور جن لوگوں نے کفر کی روش اپنا لی ہے ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے نہ تو ان کا کام تمام کیا جائے گا کہ وہ مر ہی جائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا۔(سورہ فاطر:۳۶)

نمونہ نمبر(۸): زکوٰۃ کے مصرف پر تملیکِ ذاتی کی جو شرط ہمارے فقہاء نے عائد کی ہے اس کے لیے کوئی ماخذ قرآن وسنت میں موجود نہیں۔(میزان:۳۵۰)

تبصرہ: مگر آنجناب نے جمعہ کی نماز کی فرضیت کے لیے حکمرانوں کی جو شرط لگائی ہے اس کا ماخذ" اِذا نُودیَ الصلاۃ" میں مذکور"نودی" سے خوب دریافت کر ڈالا، آفرین ہے آں جناب کی فقاہت مآبی پر۔

(From the desk of Ghamidi part-1 youtube)

نمونہ نمبر(۹): ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی تعبیر اصل میں یہ تھی کہ وہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لیے اللہ تعالیٰ کی نذر کر دیں، اس سے یہ ہرگز مقصود نہیں تھا کہ وہ فی الواقع اسے ذبح کریں۔(میزان:۴۰۱)

تبصرہ: کیا ٹھکانہ ہے آں جناب کی پروازِ فکر کا کہ نبی مقرّب کو خواب کی تعبیر سمجھ میں نہ آئی اور منشاءِ خداوندی پر شرح صدر نہ ہوا اور جاوید احمد غامدی اس میدان میں گوئے سبقت لے گئے!

نمونہ نمبر(۱۰): ریاست اپنے مسلمان شہریوں کو کسی جرم کے ارتکاب سے روک سکتی ہے اور اس پر سزا تو دے سکتی ہے لیکن دین کے ایجابی تقاضوں میں سے نماز اور زکوٰۃ کے علاوہ کسی چیز کو بھی قانون کی طاقت سے لوگوں پر نافذ نہیں کر سکتی وہ مثال کے طور پر

اُنہیں روزہ رکھنے کا حکم نہیں دے سکتی۔(میزان:۴۹۰)

تبصرہ: جاوید احمد غامدی کے اس فتوے کے مطابق اسلامی کتب خانے سے قضا و احتساب کی ساری کتابوں کو نذرِ آتش کر دینا چاہیے،اور بخاری شریف اور دیگر کتب ِ احادیث سے اِس روایت کو کہ حضرت عمرؓ نے ماہِ رمضان میں ایک مدہوش آدمی کو روزہ چھوڑنے پر یہ کہہ کر کوڑے مارے تھے کہ"ویلک وصبیا ننا صیام"(تیرا ناس ہو اس ماہِ مبارک میں ہمارے چھوٹے بچے بھی روزہ رکھتے ہیں)،غامدی کے اس تازہ ترین اجتہاد کی رو سے قلم زد کر دینا چاہیے۔(العیاذ باللہ)

نمونہ نمبر(۱۱): ہماری فقہ میں ربوالفضل کا مسئلہ اِسی (راویوں کے سوءِ فہم اور)غتربود کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔(میزان:۵۰۸)

تبصرہ: جناب جاوید احمد غامدی"سود پر تاریخی فیصلہ" کا ٹھنڈے دماغ اور طلبِ ہدایت کی نیت سے مطالعہ کیجئے،اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ آں جناب کا یہ مغالطہ دور ہو گا اور اس حقیقت کا انکشاف ہو گا کہ یہ راویوں کی غتربود کا نتیجہ نہیں بلکہ شرعی اور نبوی حکم ہے"سود پر تاریخی فیصلہ" جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کی وہ معرکۃ الآرا کتاب ہے جس کی پاداش میں پاکستان کے بدخواہ آمر صدر جنرل پرویز مشرف نے ان کو تو سپریم کورٹ کی شریعت بنچ سے برطرف کر دیا تھا اور آنجناب کو ایوانِ پرویزی میں قرب وانعام کے پروانے سے نوازا گیا تھا۔

نمونہ نمبر(۱۲): أن تلد الامۃ ربّتھا لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی،ہمارے نزدیک اس کا مفہوم بھی بالکل واضح ہے اس سے مراد ایک ادارے کی حیثیت سے غلامی کا خاتمہ ہے۔(میزان:۱۷۶)

تبصـــرہ: اقوامِ متحدہ کے دستور ومنشور کی خوب پاسداری اوراس کے دفعات سے مکمل وفاداری لائق دید ہے! قوانینِ مغرب سے مرعوبی کی عبرتناک مثال!!

نمونہ نمبـر(۱۳): جنگ کا حکم" قٰتلوھم" کے الفاظ میں بیان ہوا ہے سیاقِ کلام سے واضح ہے کہ اس میں ضمیرِ منصوب کا مرجع مشرکینِ عرب ہیں۔(میزان:۵۹۵) کسی مقصد کے لئے بھی دین کے نام پر جنگ نہیں کی جاسکتی۔(میزان:۵۹۹) قیامت تک کسی فرد یاجماعت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی شخص کو کافر قرار دے۔(برہان:۳۱۹)

تبصـــرہ: گویا جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ اب اصلاً منسوخ ہو چکا ہے اور کفار سے متعلقہ آیات واحکام اب لائقِ عمل نہیں رہے کیوں کہ ان کو کافر قرار دینا ہی مشکل وناممکن ہے۔(استغفر اللہ)

نمونہ نمبـر(۱۴): قاضی اپنی صوابدید کے مطابق کسی مقدمہ میں تنہا عورتوں کی گواہی بلکہ غیر مسلموں کی گواہی کو بھی قبول کرسکتا ہے۔(برہان ملخصاً:۲۷)

تبصـــرہ: اس کا مطلب یہ ہوا کہ سورۂ بقرہ کی جس آیت میں نصابِ شہادت کی تفصیلات آئی ہیں اس کے سلسلہ میں آنجناب کی من مانی تفسیر کو قبول کرلیا جائے ،اور سورۂ نساء کی اس آیت: کہ اللہ کافروں کے لئے مسلمانوں پر غالب آنے کا ہرگز کوئی راستہ نہیں رکھے گا(سورۂ نساء:۱۴۱) کے اشارہ و دلالت سمیت فقہاء کی جملہ تصریحات کونظر انداز کر دیا جائے!!

نمونہ نمبـر(۱۵): فقہاء نے (رجم اور سنگساری کی شکل میں)ایک ایسی بے جوڑ چیز اسلام کے ضابطۂ حدوداورتعزیرات میں داخل کردی جو عقل ونقل دونوں کی رُو سے بالکل بے بنیاد ہے۔(میزان:٦١٢) ہمارے فقہاء کرام نے قرآن مجید کے اس حکم کے

ساتھ جو طرفہ معاملہ کیا ہے، اس کی رُو سے احناف کے نزدیک یہ سزا (سو کوڑے مارنے کی) صرف کنوارے زانیوں کے لئے ہے، شادی شدہ زانیوں کی سزا سنت نے مقرر کی ہے اور وہ رجم یعنی سنگساری ہے، شادی شدہ زانیوں کے بارے میں یہی رائے شوافع اور مالکیہ کی ہے۔ (برہان: ۳۵) مرتد کی سزائے موت کے بارے میں یہ دانشورِ اعظم فرماتے ہیں: ہمارے فقہاء کی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے اِسے عام ٹھہرا کر ہر مرتد کی سزا موت قرار دی اور اس طرح اسلام کے حدود و تعزیرات میں ایک ایسی سزا کا اضافہ کر دیا جس کا وجود ہی اسلامی شریعت میں ثابت نہیں ہے۔ (برہان: ۱۴۳)

تبصرہ: پاکستان میں ایک زمانے میں یہ سزائیں اور حدود آرڈیننس زیرِ بحث رہا تھا اور اس طرح کے مفکرین نے ان سزاؤں پر بڑا طوفان مچایا ہوا تھا، شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے عدالتی سطح پر ان نظریات کا جائزہ لیا تھا اور بڑی جرح و تحقیق کے بعد ان کو شرعی و قانونی طور پر مسترد و کالعدم قرار دیا تھا، شائقین اس سلسلہ میں حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم کے "عدالتی فیصلے" ملاحظہ کر کے اپنے علم و یقین کی تسکین کر سکتے ہیں، راقم الحروف تو صرف اس شعر پر اکتفا کرنا چاہتا ہے کہ

گر نبیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

(اگر دن میں چمگادڑ نہیں دیکھ سکتی تو اس میں سورج کی روشنی کا کیا گناہ ہے!)

نمونہ نمبر(۱۶): تصوف فی الواقع ایک متوازی دین ہے جسے دینِ خداوندی کی روح اور حقیقت کے نام سے امت میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ (برہان: ۲۱۰)

تبصـــرہ: تصوف متوازی دین ہے یا قرآن وسنت کا عرق ومغز ہے؟اس پر قدیماً وحدیثاً علماءِ اسلام کی بے شمار کتابیں موجود ہیں،صرف مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتابوں کو کوئی آدمی حرزِ جان بنالے تو علمی بے راہ روی اور بے توفیقی کی اِس پستی پر نہ آئے،بندہ تو اس موقع پر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے اس زرّیں جملے کو نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہے جس سے تصوف کی حدِّتام سامنے آجاتی ہے،رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے حضرت شیخؒ سے پوچھا تھا کہ یہ تصوف کیا بَلا ہے؟اس کی کیا حقیقت ہے؟ حضرت شیخ الحدیثؒ نے جواب میں فرمایا کہ صرف تصحیحِ نیت! اس کے سوا کچھ نہیں،جس کی ابتداء "إنما الاعمال بالنیات" (تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) سے ہوتی ہے اور انتہاء "ان تعبداللہ کانک تراہ" (تم اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو) ہے!! رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمنؒ پر اس جواب سے سکتہ طاری ہوگیا اور ان کے سارے اشکالات ہی ختم ہوگئے۔(آپ بیتی نمبر:۲ ص:۴۹)

تعارضات وتناقضات — جاوید احمد غامدی کی تحریرات میں

(۱) ایک جگہ لکھتے ہیں: اخبارِ آحاد جنہیں بالعموم حدیث کہا جاتا ہے.... دین میں ان سے کوئی عقیدہ وعمل کا اضافہ بھی نہیں ہوتا۔ (میزان: ۱۵)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کی نسبت سے جو باتیں احادیث وآثار کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں اُنھیں پوری اہمیت دی جائے۔ (میزان: ۵۶)

(۲) ایک جگہ لکھتے ہیں: امام فراہی کے الفاظ ہیں "القرآن لا یحتمل الا تأویلا واحداً"۔ (میزان: ۵۱) (قرآن پاک کی آیات میں صرف ایک ہی تفسیر ومعنی کا امکان ہوتا ہے)

دوسری جگہ لکھتے ہیں علماء ومحققین نے قرآن کی شرح وتفسیر میں جو کچھ کہا اور جو کچھ لکھا ہے اُسے بھی ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے، اُنہیں نظر انداز کر کے کبھی ترقی کے منازل طے نہیں کر سکتے۔ (میزان: ۵۶)

(۳) ایک جگہ لکھتے ہیں: نبی کی حیثیت صرف ایک واعظ وناصح کی نہیں بلکہ ایک واجب الاطاعت ہادی کی ہوتی ہے۔ (میزان: ۱۴۴) پورے اخلاص، پوری محبت اور انتہائی عقیدت سے (نبی کی اطاعت) ہونی چاہیے۔ (میزان: ۱۴۵)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: نبی کا ارشاد بھی قرآن کے مدعا میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا۔ (میزان: ۴۰) بعض کھانے، خاص وضع کا لباس ان میں سے کوئی چیز بھی سنت نہیں۔ (میزان: ۵۷)

(۴) ایک جگہ لکھتے ہیں: حدیث سے قرآن کے نسخ اور اس کی تحدید وتخصیص کا مسئلہ؛ بالفاظِ دیگر قرآن کی توضیح وتبیین کا مسئلہ سوءِ فہم اور قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے۔ (میزان: ۳۵)

دوسری جگہ گویا فرماتے ہیں: مگر یاجوج و ماجوج کے خروج کا زمانہ اور ان سے متعلق دیگر تفصیلات کو حزقیل اور مکاشفہ کے فِقروں کے ذریعہ ثابت کرنا اعلیٰ درجہ کا تدبر وفہم ہے۔(میزان:۱۷۶)

(۵)ایک جگہ فرماتے ہیں: اخبارِ آحاد جنہیں بالعموم حدیث کہا جاتا ہے دین میں ان سے کسی عقیدہ وعمل کا بھی اضافہ نہیں ہوتا۔(میزان:۱۵)مگر دوسری جانب "میزان" میں عبادات کے ابواب میں بیسیوں اعمال واذکار و مسائل ثابت کرنے کے لئے آں محترم نے اخبارِ آحاد ہی کا سہارا لیا ہے!!

(۶)ایک جگہ فرماتے ہیں: نزولِ مسیح کی روایتوں کو اگرچہ محدثین نے بالعموم قبول کیا ہے لیکن اس واقعے کی طرف کوئی ادنیٰ اشارہ بھی قرآن کے بین الدفتین کسی جگہ مذکور نہیں ہے، علم و عقل اس خاموشی پر مطمئن ہو سکتے ہیں؟اِسے باور کرنا آسان نہیں۔(میزان:۱۷۸)مگر"اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ" کے سلسلے میں کوئی حدیث اور کسی مفسر کا قول نہ ہونے کے باوجود آنجناب کو یہ اشارہ مل گیا کہ"نودی" کا مطلب سلطان و حاکم کی طرف سے جمعہ کا قیام ہونا چاہیے! اس اشارہ کو پاتے ہی آں موصوف نے غیر مسلم مما لک سے جمعہ کی فرضیت ہی کو ساقط کر ڈالا!!

یورپین from the desk of Ghamidi part-1youtube)

علماء کونسل کا فتویٰ اور غامدی کی رائے)

(۷)ایک جگہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے سے بتایا کہ سور، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کئے گئے جانور کھانے کے لئے پاک نہیں اور انسان کو ان سے پرہیز کرنا چاہیے، اس معاملے میں شریعت کا موضوع اصلاً یہ چار ہی

چیزیں ہیں، باقی چیزوں کو خدائی شریعت نے انسان کی فطرت ہی کی رہنمائی پر چھوڑ دیا ہے---------اورانسان کی فطرت اس معاملے میں بالعموم اس کی صحیح رہنمائی کرتی ہے۔(میزان:۶۲۹ تا۶۳۱ بتقدیمٍ وتاخیرٍ)

قبلہ موصوف نے یہاں فطرت کو جانوروں اور خوردونوش کی اشیاء کی حلت وحرمت کے معاملہ میں معیار اور فیصل تسلیم کیا ہے،داڑھی کے مسئلہ میں پتہ نہیں اِس معیار سے کیوں ہاتھ دھو بیٹھے ہیں حالانکہ" اعفاء اللحیۃ" داڑھی رکھنا اور بڑھانا نہ صرف فطرت ہے بلکہ انبیاء کرام کی فطرت ہے۔(مسلم شریف :باب خصال الفطرۃ:۲۶۱)موصوف کے بے توفیق جملے ملاحظہ ہوں: داڑھی سنت اور دین کا حصہ نہیں۔(مقامات ص:۱۳۸ ط:۲۰۰۸ء)

بعض مغالطے

مغالطہ نمبر ۱: جاوید احمد غامدی اور اس نوع کے دانشوران اکثر مدار الحکم کے طئے کرنے میں غلطی اور دھوکہ کھا جاتے ہیں، حکم اصل میں کس چیز کی طرف منسوب اور کونسی چیز اس کے وجود و عدم میں مؤثر بن رہی ہے؟ اس کی تعیین فیصلہ کُن درجہ رکھتی ہے، اس میں خبط وخطا سے شرعی احکام اور تشریعی مقتضیات مسخ ہوکر رہ جاتے ہیں، یہاں پانچ چیزیں آدمی کی صلاحیتِ اجتہاد کا گویا امتحان لیتی ہیں (۱) علت (۲) حکمت (۳) سبب (۴) شرط (۵) علامت، حکم کے وجود وعدم میں مؤثر ان پانچ چیزوں میں سے صرف علت ہوا کرتی ہے، حکمت تو اس حکم کے جاری کرنے کی صورت میں حاصل ہونے والی مصلحت یا دفع ہونے والے مفسدے کا نام ہے اور سبب کسی حکم کے ذریعۂ محض کو کہا جاتا ہے اور شرط شئ سے خارج وہ چیز ہوتی ہے جو حکم میں مؤثر تو نہیں ہوتی مگر اس کے موجود ہونے کی صورت میں عموماً حکم موجود ہو جاتا ہے اور علامت حکم کے موجود ہونے پر دلالت کرنے والی نشانی ہوتی ہے، علت کے اندر انضباط وتاثیر کی شان ہوتی ہے باقی چیزوں میں یہ بات نہیں ہوتی اب اگر کسی حکم کی تشریعی نسبت بجائے علت کے کسی اور کی طرف کردی جائے تو شرعی احکام کا پورا توازن بگڑ جائے گا (مباحث العلۃ: ۰۷ تا ۱۶۰)

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(الف) سورۂ نساء کی آیت کہ: جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی حرج نہیں کہ نماز میں قصر کرو۔ (سورۃ النساء: ۱۰۱) اس سے معلوم ہوا کہ نمازِ قصر کے حکم کا مدار سفر پر ہے بالفاظِ دیگر سفر، قصر کے حکم کے لئے علت اور مدار الحکم ہے، اس حکم کی حکمت ومصلحت یہ ہے

کہ مسافرین کو چوں کہ سفر میں مشقت بھرے حالات پیش آتے ہیں تو ان سے دو رکعتیں گھٹا کر کچھ راحت اور تخفیف دی جائے اب اگر نمازِ قصر کے حکم کا دارومدار بجائے سفر کے، مشقت پر رکھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی آرام دہ سواریوں میں سفر کر رہا ہو تو اس کو قصر کی سہولت نہ ملے مگر جو اپنے شہر ہی کے ایک کونہ سے دوسرے کونہ دن بھر پھیری کا دھندا کرتا ہو وہ قصر ضرور کرے، ان دونوں چیزوں (سفر اور مشقت) میں سے سفر ایک پہلو اور منضبط شئ ہے جبکہ مشقت ایسی چیز جس میں اشخاص، اوقات اور حالات اور ذرائعِ سفر کے اعتبار سے تبدیلی ہوتی رہتی ہے اس لئے مدار الحکم سفر کو قرار دیا جائے گا نہ کہ مشقت کو۔(اصول الافتاء وادابہ: ۲۴۲ - مباحث العلۃ: ۱۱۰)

(ب) نماز کی فرضیت قرآن پاک کی صریح نصوص سے ثابت ہے یہی نصوص نماز کی فرضیت کے حکم کے لیے مدار الحکم اور علت بھی ہیں، اللہ کی یاد دل میں رچ بس جائے اور رجوع وانابت کی کیفیت زندگی میں پیدا ہو یہ نماز کی فرضیت کی حکمت ہے، اب اگر نماز کی فرضیت کا دارومدار اس حکمت پر رکھ دیا جائے تو پھر یہ ہوگا کہ کوئی کوئی یہ کہے گا کہ مجھے نماز کے بغیر بھی یہ دولت حاصل ہے پھر مجھے نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے جیسا کہ بعض جاہل صوفیا کا خیال ہے۔(اصول الافتاء وادابہ: ۲۴۴)

(ج) رضاعی ماں سے نکاح حرام ہونے کی علت، ایامِ شیر خوارگی میں اس کا دودھ پینا ہے، اور اس کی حکمت یا فلسفہ یہ ہے کہ دودھ پینے کی وجہ سے دودھ پلانے والی عورت کا جزء دودھ پینے والے بچے کے جسم کا حصہ بن جاتا ہے اور اِس واسطے سے وہ بچہ بھی عورت کے اس بچے کے مانند ہو جاتا ہے جو اس کی کوکھ سے پیدا ہوا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہاں حکم کا دارومدار ایامِ شیر خوارگی میں دودھ پینے ہی پر ہے، عورت کے کسی جزء کا بچے کے جسم کا

حصہ بن جانے پر حکم کا دارومدار نہیں، اگر ایسا ہوتو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کسی بچے کو کسی عورت کا خون چڑھایا گیا یا اس بچے نے اس عورت کے جسم کے کسی حصے کو کتر کر کھالیا تو بھی ان کے درمیان حرمت قائم ہو جائے حالاں کہ ایسا معاملہ نہیں ہے۔(مباحث العلۃ:۱۰۹)

(د)مدخول بہا عورت پر نکاح ختم ہونے کی صورت میں عدت کو اس لئے واجب کیا گیا ہے کیونکہ اس سے دخول ہوا ہے جب دخول ہوا ہے تو اس بات کا امکان ہے کہ اس کا رحم اس مرد کے نطفہ سے مشغول ہوگا ایسی حالت میں اسے دوسرے مرد سے شادی کی اجازت نہیں دی جاسکتی، لہذا اُس (عورت) کو عدت گزارنا پڑے گا، یہاں عدت کے حکم کے لیے" دخول" بمنزلۂ علت کے ہے اور" رحم کی مشغولی کا امکان" حکمت و مصلحت کے قبیل سے ہے، مدار الحکم علت کو قرار دیا جائے گا حکمت و مصلحت کو نہیں، لہٰذا ہر مدخول بہا عورت پر نکاح ٹوٹنے کی صورت میں عدت لازم ہے خواہ وہ نابالغ ہو یا سن رسیدہ ہو یا ڈاکٹری آلات سے اس کے رحم کے خالی ہونے کو معلوم کرلیا گیا ہو۔(مباحث العلۃ:۱۱۰)

زمانۂ حاضر کے عقل پرست اسکالرس: اکثر احکام میں علت کے بجائے حکمت و مصلحت کو مدار الحکم ٹھہراتے ہیں پھر حکمت و مصلحت چونکہ منضبط بھی نہیں ہوتی تو اپنی عقل وخرد سے نئی نئی حکمتیں اور مصلحتیں گڑھ لیتے ہیں اور ان کی بنیاد پر جو اجتہاد آرائی شروع کر دیتے ہیں تو شریعت کے حسن وکمال کو پامال کر بیٹھتے ہیں اور اپنے اس طرزِ عمل کے ذریعہ امت کے درمیان آزاد خیالی اور آوارگیٔ فکر کو فروغ دیتے ہیں۔(اصول الافتاء وادابہ:۲۴۶-۲۴۷)

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں: شریعت میں مصالح کا اعتبار ضرور ہے مگر مصالح وہ معتبر ہیں جو شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہوں، ان مصالح کا اعتبار نہیں جو مکلف کی اپنی سوچ کا حاصل ہوں!!(الموافقات:۵/۴۲)

شادی شدہ زنا کار کے لیے رجم اور سنگساری کی سزا احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے، چودہ سو سال سے اسی پر عمل ہوتا آرہا ہے، جاوید احمد غامدی نے ایک نیا خیال یہ پیش کیا کہ رجم کی سزا شادی شدہ زنا کاروں کے لیے نہیں بلکہ اوباش پیشہ اور عادی مجرموں کے لیے ہے پھر اوباش اور عادی مجرم ہونے کا پیمانہ کیا ہوگا؟ وہ آں جناب تجویز کریں گے!! (میزان: ۶۱۱)

معنالطہ نمبر ۲: استخراجِ مسائل کا درست طریقہ یہ ہے کہ جو مسائل تخریج شدہ ہیں اور متقدمین نے اس سلسلہ میں اجتہاد کی زحمت اٹھالی ہے؛ دوبارہ ان کو موضوعِ بحث نہ بنایا جائے، اور جہاں ضرورت ہو وہاں دین کے قواعد وکلیات کو اصولی حیثیت دی جائے ان کی روشنی میں جزئیات پر غور وفکر کیا جائے، اس کے برخلاف تخریج شدہ مسائل پر خواہ مخواہ معرکہ آرائی کرنا یا ہر جزئی کو بجائے خود قاعدۂ کلیہ باور کرنا ایک ایسا مغالطہ ہے جس سے شرعی نظام میں بکھراؤ اور انتشار معلوم ہوتا ہے اور احکامِ شرعیہ کی اہمیت لوگوں کے دلوں سے گھٹنی شروع ہوجاتی ہے۔

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں: جب دلائلِ شرعیہ براہینِ قطعیہ سے کسی قاعدہ کا عموم واطلاق ثابت ہو جائے تو پھر اس میں جزوی واقعات اور خاص احوال اثر انداز نہیں ہوتے اگر کہیں اِن احوال وواقعات کا عمومی قاعدے وکلیہ سے ٹکراؤ ہو تو تاویل؛ قاعدہ وکلیہ میں نہیں بلکہ مخالف چیز میں کی جائے گی،

جیسے عصمتِ انبیاء ایک ایسا عقیدہ ہے جس کا عموم واطلاق شریعت کے قطعی نصوص سے ثابت ہے، اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ملتا ہے کہ ان سے ایک قبطی کا قتل ہوگیا تھا، اس سے بظاہر عصمت انبیاء کے عقیدہ پر زد پڑتی ہے، مگر اس واقعہ کی بنیاد پر

یہ نہیں کہا جائے گا کہ بعض انبیاء معصوم نہیں ہوتے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبطی کا قتل ہو جانا گناہ تھا ہی نہیں، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد مظلوم سے ظالم کو دفع اور دور کرنا تھا، اِس ہٹانے اور دور کرنے میں مُکّہ لگ گیا اور غیر ارادی طور پر اس کا قتل واقع ہو گیا؛

اسی طرح وضو میں سر کا مسح قطعی دلائل سے ثابت ہے، اس کے مقابلہ میں ایک روایت ملتی ہے کہ آپ علیہ السلام نے عمامہ پر مسح فرمایا؛ اس روایت کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جائے گا کہ وضو میں سر کا بھی مسح کیا جا سکتا ہے اور سر کے بجائے عمامہ کا بھی کیا جا سکتا ہے، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وضو میں سر کا مسح کرنا ہی اصل ہے باقی جس روایت میں عمامہ پر مسح کرنے کا تذکرہ ہے تو وہ بیماری یا سر پر زخم کے عذر کی وجہ سے تھا،

اسی طرح صاحبِ نصاب آدمی پر قربانی کا وجوب مضبوط دلائل سے ثابت ہے، اس کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا یہ عمل بھی ملتا ہے کہ ان بزرگوں نے کسی سال قربانی کو ترک بھی کیا تھا، اب اس کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جائے گا کہ قربانی کر بھی سکتے اور نہیں بھی، بلکہ یہی کہا جائے گا کہ قربانی علی حالہٖ واجب ہے، ان حضرات نے کسی سال قربانی ترک کی تو وہ کسی خاص وجہ سے ترک کی تھی لہٰذا ان کے عمل سے قاعدے کے عموم واطلاق کو توڑا نہیں جا سکتا۔

(الموافقات للشاطبی مع ھامشہ للمحقق ابوعبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان: ۴/ ۸ تا ۱۳

-ط:۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء م)

جمعہ کی فرضیت نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے مگر اسلامی تاریخ خاص کر خلافتِ راشدہ کے زمانے میں خلفاءِ اسلام کی سرپرستی میں اس کا قیام ہوتا تھا، حج کی ادائیگی کا بھی یہی معاملہ

تھا،مغالطے کی بات یہ ہوگئی کہ جناب جاوید احمد غامدی نے جمعہ کی فرضیت ہی کوخلفاء و حکمرانانِ اسلام کے قائم کرنے پرموقوف کردیااور یہ نتیجہ نکالا کہ غیرمسلم ممالک میں جمعہ فرض ہی نہیں رہتا اور اسلامی ممالک میں بھی جمعہ کا قیام اس وقت درست ہوتا ہے جبکہ حکمرانانِ وقت بذات خود اس کو قائم کریں،جاوید احمد غامدی نے غیرمسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں پراتنا کرم ضرورکیا کہ ان بے چارگان سے حج کی فرضیت منسوخ ہونے کا تادمِ تحریرکوئی فتوی جاری نہیں فرمایا۔

علامہ ابن قدامہ المتوفی ۶۲۰ھ فرماتے ہیں: والثانی: اذن الامام والصحیح انه لیس بشرط وبه قال مالک والشافعی وابو ثور ۔۔۔۔کالحج یتولاہ الائمةولیس بشرطفیه.(المغنی:۲/ ۲۴۵)

معنالطہ نمبر۳: عبادات کے مسائل میں قیاس وعقل کا دخل بہت کم ہوتا ہے،عبادات کی اصل اوران کی شکل وصورت اوران کی کیفیات ومقادیر کی کتنی ہی عقلی توجیہات کرلی جائیں،ان کا معاملہ بہرصورت عقل وفہم سے بالاتر ہی رہتا ہے،مثال کے طور پرریح کے خارج ہونے پر یا نماز میں قہقہہ مارنے پروضوکا ٹوٹ جانا پھر چاراعضاء کے دھونے اورمسح کرنے پر پاک ہوجانا،اسی طرح جنابت لاحق ہونے پر پورے بدن کا ناپاک ہوجانا،تیمم کرنے سے طہارت کا حاصل ہوجانا،بعض نمازوں کی رکعتوں کا کم اوربعض کا زیادہ ہونا،بعض میں آہستہ قرأت اوربعض میں جہری قرأت کا ہونا،تیس روزوں کا فرض ہونا،زکوۃ میں چالیسواں حصہ بطور زکوۃ کے واجب ہونا،خاص خاص احوال میں زکوۃ کا فرض ہونا،حج کے جملہ مناسک واعمال وغیرہ وغیرہ ایسے ہیں جن کا تعلق ایمان وعشق اورجن میں تسلیم ورضا مطلوب ہے۔(الموافقات:۲/ ۵۱۳)

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں: شارع نے عبادات کے باب میں بندگی کی حیثیت کو غالب رکھا ہے جبکہ عادات کے باب میں عقل وفہم سے مطابقت کے پہلو کو غالب رکھا ہے، عبادات کا مقصدِ اصلی اکیلے خدا کی طرف متوجہ ہونا، ہر طرف سے کٹ کر اس کی طرف مائل ہونا ہے، ایسا کرنے کی صورت میں بندے کو آخرت میں جنت اور دنیا میں اللہ کی ولایت بھی ملتی ہے، عبادات کے انجام دینے میں اگر کوئی بندہ اس بات کو اپنا مقصد بنالیتا ہے کہ اس کی وجہ سے اس کو مسلمان قرار دے کر جان ومال کی امان دی جاتی ہے، زکوٰۃ کی رقم اس کو مل سکتی ہے، مسلم سماج میں اس کو ایک باعزت شہری کی حیثیت مل جاتی ہے تو یہ ایسے گھٹیا مقاصد ہیں جن کی بنا پر عبادات کا خون ہو جاتا ہے اور آدمی رفتہ رفتہ دین سے دور ہو جاتا ہے۔(الموافقات: ۳/ ۱۳۸-۱۴۰)

جاوید احمد غامدی اور اس طرح کے دانشور حضرات پر تاویل وتوجیہ اور عقل پرستی کا ایسا بھوت چڑھا ہوتا ہے کہ ہر وہ حکمِ شرع کو اسی زاویہ سے دیکھتے ہیں اور عبادات کی مشروعیت کے اصل فلسفے کو نظر انداز کر بیٹھتے ہیں اور عبادات بشمول سارے دین کو اپنے نظریات کا تابع بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک صاحبِ نظر عالم دین، ماضی قریب کے معروف مفکر مولانا سید ابوالاعلی مودودی کی تشریحِ دین پر تبصرہ کرتے ہوئے بہت ہی معقول بات لکھتے ہیں:

مولانا مودودی نے اجزائے دین میں سے کسی جزء پر کام نہیں کیا ہے، بلکہ انہوں نے پورے دین کی مجموعی تشریح کی ہے، انہوں نے دین کے بارے میں وہ کلّی تصور قائم کرنے کی کوشش کی ہے جس کے تحت پورے دین کو اس کے سارے اجزاء سمیت سمجھا جا سکے، یہ ایک بہت بڑا کام ہے مگر اس کے ساتھ وہ نہایت نازک کام بھی ہے، کیونکہ اس کی

صحت و غلطی کا تعلق پورے دین کے بارے میں آدمی کے نقطہ نظر سے ہے اگر وہ صحیح ہو تو پورے دین کے بارے میں آدمی کا نقطۂ نظر صحیح ہوگا اور اگر وہ غلط ہو تو پورے دین کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر غلط ہو جائے گا،

شاہ ولی اللہ صاحب اگر وضو کی حکمت بتانے میں غلطی کر جائیں تو اس سے ان کی کتاب کے بقیہ حصوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن مولانا مودودی نے جو کام اپنے ذمہ لیا ہے اس کا معاملہ اس سے مختلف ہے، انہوں نے پورے دین کی حکمت بتانے کی کوشش کی ہے، اس لئے اگر وہ غلطی کریں تو اس کی وجہ سے ان کا پورا فلسفہ متاثر ہو جائے گا اور سارا لٹریچر قابلِ اعتراض شکل اختیار کرلے گا، اجزائے دین کی حکمت بیان کرنے والوں کی غلطی مقامی نوعیت کی ہوتی ہے وہ صرف اس مخصوص مسئلہ سے متعلق ہوتی ہے جس کے بارے میں غلطی کی گئی ہے جب کہ کُل دین کی حکمت بتانے والے کی غلطی اس کی پوری تقریر پر پھیل جاتی ہے، وہ اس کے پورے فکر کو غلط کر کے رکھ دیتی ہے۔

(تعبیر کی غلطی از مولانا وحید الدین خاں: ۲۸۲)

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین جاوید احمد غامدی کے بارے میں، جس کے درجِ ذیل عقائد وخیالات ہیں اوران کی دعوت واشاعت میں ہمہ تن مصروف ہے۔

۱۔حیات ونزول عیسیٰ کا منکر ہے ؛ کہتا ہے عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔(میزان،ص:۱۷۸)

ظہور مہدی کا بھی منکر ہے ؛ کہتا ہے قیامت کے قریب کوئی مہدی نہیں آئے گا۔(میزان،ص:۱۷۷)

مرزا غلام احمد قادیانی، غلام احمد پرویز سمیت کسی کو کافر تسلیم نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ کسی بھی امتی کو کسی کی تکفیر کا حق نہیں ہے۔(اشراق، اکتوبر ۲۰۰۸ء ص: ۴۷)

حجیتِ حدیث کا منکر ہے ؛ اس کا کہنا ہے کہ حدیث سے دین میں کسی عمل یا عقیدے کا اضافہ بالکل نہیں ہوسکتا۔

حدیث شریف اور سنت رسول سے قرآن پاک کی تخصیص وتحدید کا بھی منکر ہے؛ کہتا ہے کہ حدیث مبارکہ میں جو چیز اس کے علم وعقل کے مسلمات کے خلاف ہو وہ نا قابل قبول ہے۔(میزان،ص:۱۵،۱۴،۶۴)

سنت کے قبول کے لیے بھی قرآن پاک کی طرح تواتر کی شرط لگاتا ہے، اس کے نزدیک سنتوں کی کل تعداد صرف ۲۷ ہے، باقی تمام سنتوں کا منکر ہے ؛ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف اعمال، نفلی عبادات، مرغوب طعام، لباس وغیرہ کی سنیت کا منکر ہے۔(میزان)

جواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Fatwa ID:708-674/L=6/1436-U

حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام اور قربِ قیامت آپ کے نزول کا تذکرہ قرآن پاک کی متعدد آیات سے ثابت ہے، چنانچہ کلام پاک میں ہے کہ **وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ. وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا. بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا. وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا.** (سورۃ النساء: رقم الآیۃ: ۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹) کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا ہے اور نہ ہی سولی دی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھالیا ہے، اور آپ کی وفات سے قبل تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے، اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ قربِ قیامت آپ دنیا میں تشریف لائیں، نیز حیات ونزولِ عیسیٰ علیہ السلام بکثرت احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں جو حدِ تواتر کو پہنچ چکی ہیں، حدیث پاک میں ہے: **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن عیسَی لم یمتْ، وإنہ راجعٌ إلیکم قبل یوم القیامۃ۔**

(تفسیر البحر المحیط: ۲/ ۴۷۳)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحج المھدی وھو ابن أربعین سنۃ الخ۔ (العرف الوردی للسیوطی: ۲۷، ط مفتی الٰہی بخش)

قال العلامۃ الشوکانی فی کتابہ "التوضیح" إن الأحادیث الواردۃ فی المھدی المنتظر متواترۃ والأحادیث الواردۃ فی الدجال متواترۃ والأحادیث الواردۃ فی نزول عیسی متواترۃ۔

نیز احادیثِ متواترہ، صحیحہ اور ثابتہ کا منکر اور ان کی حجیت کو تسلیم نہ کرنے والا باجماعِ اہل السنۃ والجماعۃ دائرۂ اسلام سے خارج ہے، **من أنکر المتواتر فقد کفر ومن أنکر المشھور یکفر عند البعض الخ** (الھندیۃ، کتاب السیر الباب التاسع أحکام المرتدین/ ما یتعلق بالأنبیاء) **من قال لفقیہ یذکر شیئًا من العلم أو یروي حدیثًا صحیحًا أي ثابتًا لا موضوعًا ھذا لیس بشيء کفر** (شرح الفقہ الاکبر، ص: ۲۷۳) الحاصل مذکور فی السوال عقائد کا حامل شخص باجماع اہل السنۃ والجماعۃ کافر ہے، دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

ماخذ: دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

فتوی نمبر:57195

تاریخ اجراء:Apr 5, 2015

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، بنوری ٹاؤن

جاوید احمد غامدی کے نظریات

سوال:

جاوید احمد غامدی کے فکری نظریات بیان فرمائیں!

جواب:

جاوید احمد غامدی کے بہت سے نظریات قرآن و حدیث کے صریح نصوص کے خلاف اور اہلِ سنت والجماعت کے اجماعی و اتفاقی عقائد سے متصادم ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

1)... عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں۔(میزان، علامات قیامت، ص:178،طبع 2014)

2)... قیامت کے قریب کوئی مہدی نہیں آئے گا۔(میزان، علامات قیامت، ص:177،طبع: مئی 2014)

3)... (مرزا غلام احمد قادیانی) غلام احمد پرویز سمیت کوئی بھی کافر نہیں، کسی بھی امتی کو کسی کی تکفیر کا حق نہیں ہے۔(اشراق، اکتوبر 2008،ص:67)

4)... حدیث سے دین میں کسی عمل یا عقیدے کا اضافہ بالکل نہیں ہوسکتا۔(میزان، ص:15)

5)... سنتوں کی کل تعداد صرف 27 ہے۔(میزان، ص:14)

6)... داڑھی سنت اور دین کا حصہ نہیں ۔(مقامات، ص: 138، طبع

نومبر 2008)

7)... اجماع دین میں بدعت کا اضافہ ہے۔(اشراق،اکتوبر 2011،ص:2)

8)... مرتد کی شرعی سزا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ خاص تھی۔(اشراق،اگست 2008،ص:95)

9)... رجم اور شراب نوشی کی شرعی سزا حد نہیں۔(برہان،ص:35 تا 146،طبع فروری 2009)

10)... اسلام میں "فساد فی الارض" اور "قتل نفس" کے علاوہ کسی بھی جرم کی سزا قتل نہیں ہوسکتی۔(برہان،ص:146،طبع فروری 2009)

11)... قرآن پاک کی صرف ایک قرأت ہے، باقی قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔(میزان،ص:32،طبع اپریل 2002،بحوالہ تحفہ غامدی از مفتی عبدالواحد مدظلہم)

12)... فقہاء کی آراء کو اپنے علم وعقل کی روشنی میں پرکھا جائے گا۔(سوال وجواب،ہٹس 727،19 جون 2009)

13)... ہر آدمی کو اجتہاد کا حق ہے، اجتہاد کی اہلیت کی کوئی شرائط متعین نہیں، جو سمجھے کہ اسے تفقہ فی الدین حاصل ہے وہ اجتہاد کرسکتا ہے۔(سوال وجواب،ہٹس 612،تاریخ اشاعت:10 مارچ 2009)

14)... نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام ؓ کے بعد غلبہ دین کی خاطر (اقدامی) جہاد ہمیشہ کے لیے ختم ہے۔(اشراق،اپریل 2011،ص:2)

15)... تصوف عالم گیر ضلالت اور اسلام سے متوازن ایک الگ دین ہے۔(برہان،ص:181،طبع 2009)

16 ...حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ باغی اور یزید بہت متحمل مزاج اور عادل بادشاہ تھا، واقعہ کربلا سوفیصد افسانہ ہے۔ (بحوالہ غامدیت کیا ہے؟ از مولانا عبدالرحیم چاریاری)

17)... مسلم وغیر مسلم اور مرد وعورت کی گواہی میں فرق نہیں ہے۔ (برہان، ص:25 تا34، طبع فروری2009)

18)... زکوٰۃ کے نصاب میں ریاست کو تبدیلی کا حق حاصل ہے۔(اشراق، جون2008، ص:70)

19)... یہود ونصاریٰ کے لیے نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں، اِس کے بغیر بھی اُن کی بخشش ہوجائے گی۔ (ایضاً)

20)... موسیقی فی نفسہ جائز ہے۔(اشراق، فروری2008، ص:69)

21)... بت پرستی کے لیے بنائی جانے والی تصویر کے علاوہ ہر قسم کی تصویریں جائز ہیں۔(اشراق، مارچ، 2009، ص:69)

22)... بیمہ جائز ہے۔(اشراق، جون2010، ص:2)

23)... یتیم پوتا دادے کی وراثت کا حق دار ہے۔ مرنے والے کی وصیت ایک ثلث تک محدود نہیں۔ وارثوں کے حق میں بھی وصیت درست ہے (اشراق، مارچ2008 ، ص:63... مقامات:140، طبع نومبر 2008)

24)... سور کی نجاست صرف گوشت تک محدود ہے، اس کے بال، ہڈیوں، کھال وغیرہ سے دیگر فوائد اٹھانا جائز ہے۔(اشراق، اکتوبر1998، ص:89... بحوالہ: غامدیت کیا ہے؟)

25)...سنت صرف دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کی حیثیت سے جاری فرمایا اور یہ قرآن سے مقدم ہے۔(میزان، ص:14، طبع 2014)

26)...عورت مردوں کی امامت کرا سکتی ہے۔

(ماہنامہ اشراق، ص 35 تا 46، مئی 2005)

27)...دوپٹہ ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے، اس کے بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے، دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔(ماہنامہ اشراق، ص 47، شمارہ مئی 2002)

28)...بغیر نیت، الفاظِ طلاق کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (اشراق، جون 2008، ص:65)

مزید تفصیل کے لیے ماہ نامہ بینات میں شائع ہونے والے قسط وار مضمون کا مطالعہ کرلیا جائے، جس کا لنک درج ذیل ہے:

جاوید احمد غامدی سیاق وسباق کے آئینہ میں (پہلی قسط)

جاوید احمد غامدی سیاق وسباق کے آئینہ میں (تیسری قسط)

فقط واللہ اعلم

فتوی نمبر:144108201395

تاریخ اجراء:15-04-2020

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن

جمعہ کے منبر ومحراب کے تعلق سے جاوید احمد غامدی کا ایک بیان

جاوید احمد غامدی فرماتے ہیں:

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ جمعہ کے بارے میں اللہ کا قانون کیا ہے؟ میں نے اپنی کتاب میزان میں بھی اس کو بیان کیا ہے، ہمارے تمام جلیل القدر فقہاء بھی یہی کہتے ہیں کہ جمعہ کے انعقاد کا تعلق نہ عام لوگوں سے ہے نہ علماء سے ہے، جمعہ کے انعقاد کا تعلق مسلمانوں کے نظمِ اجتماعی سے ہے، مسلمانوں کے نظمِ اجتماعی کے جو لوگ ذمہ دار ہیں جن کو ہم حکمران کہتے ہیں یا ہماری پرانی فقہی اصطلاح میں امام کہا جاتا ہے، یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ جمعہ کا انعقاد کریں......... اب یا تو سلطان یا مسلمانوں کا سربراہ خود اس کا انعقاد کرے یا اپنے کسی نمائندہ کو اس مقصد کے لئے مقرر کرے یہ جمعہ کا شریعت میں بتایا گیا طریقہ ہے...... ہمارے یہاں اس وقت جو علماء جمعہ پڑھا رہے ہیں کسی اچھے عالم سے پوچھیے وہ آپ کو یہ بتائے گا کہ جس وقت برِصغیر میں انگریزوں کی حکومت قائم ہوگئی تو ہمارے سامنے یہ فقہی وعلمی سوال پیدا ہوا کہ کیا کریں ہم؟

یعنی جمعہ کی شرط تو پوری نہیں ہوتی اس کو سلطان ہی کے ذریعہ منعقد ہونا تھا، جب اس کی شرط پوری نہیں ہو رہی تو تیمم کے طریقہ کے اوپر انہوں نے یہ کہا کہ اب ہم گویا اس جمعہ کا انعقاد کر دیتے ہیں جبکہ یہاں پر اس فقہی اصول کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے تھا کہ اس کا متبادل شریعت نے مقرر کر دیا ہے، یعنی ظہر کی نماز؛ عام لوگوں پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، عام لوگوں کے بارے میں یہی ہے کہ جب ان کو جمعہ کے لئے بلایا جائے یعنی جب حکمران جمعہ کی اذان دلوائے، جب اس کی طرف سے یہ کہا جائے کہ آیئے تو پھر ان پر جمعہ فرض ہوتا ہے یعنی اس کی فرضیت ہی اصل میں ثانوی طریقہ سے ہوتی ہے، اسی لیے قرآن

مجید نے کہا (و)اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ یعنی جب جمعہ کے لیے اذان دی جائے، جمعہ کے لئے بلایا جائے تو اس وقت اپنے کاروبار چھوڑو!!

From the desk of Ghamidi part-1 16:00 to)
19:00 minutes یورپین علماء کونسل کا فتویٰ اور غامدی صاحب کی رائے (

غیر مسلم ممالک میں جمعہ کے تعلق سے جاوید احمد غامدی کا ایک بیان

اینکر: غیر مسلم ممالک میں رہنے والوں کے لیے جمعہ کی فرضیت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: جمعہ صرف مسلمان حکومتوں میں ہوتا ہے اور حکمران کو جمعہ کا اہتمام کرنا چاہیے، حکمران یا اس کا نمائندہ ہوگا تو جمعہ پڑھا جائے گا پڑھایا جائے گا، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب تک آپ علیہ السلام کو باقاعدہ حکومت حاصل نہیں ہوئی کبھی جمعہ کا اہتمام نہیں کیا، مکہ میں کبھی جمعہ نہیں پڑھایا گیا، جمعہ کا پہلا اہتمام اس وقت ہوا جب مدینہ میں آپ کو حکومت حاصل ہوئی یہ اصل میں ریاست کو مسجد سے متعلق کرنے کے لئے یہ نماز فرض کی گئی ہے، یہ حکمران ہی کی قیادت میں ہوتی ہے، کوئی عالم نہ اس کا خطبہ دے سکتا ہے نہ اس کے منبر پر کھڑا ہوسکتا ہے نہ اس کی نماز کی امامت کرسکتا ہے، اس کے لئے سلطان کا ہونا لازمی شرط ہے اور پاکستان کے مسلمان جس جلیل القدر فقیہ کی پیروی کرتے ہیں یعنی امام ابوحنیفہؒ ان کی فقہ کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں، اس میں صاف صریح طریقہ پر لکھا ہوا ہے کہ یہ جو جمعہ کے اندر سلطان یا اقتدار کا ہونا ہے یہ **"من شرائط الجمعة"** یہ اس کے شرائط میں سے ہے:

جمعہ کی نماز کوئی عام نماز نہیں ہے، یہ اسٹیٹ اتھارٹیز اس نماز کا اہتمام کرتی ہے، مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ میں خلفاءِ راشدین کے زمانے میں، بنو امیہ کے زمانے میں، بنو عباس کے ابتدائی زمانے میں اس کا کوئی تصور نہیں تھا، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، اور امام مالکؒ نے کبھی کسی نے جمعہ نہیں پڑھایا کوئی سوال ہی نہیں تھا اس بات کا، اس لیے جمعہ ایک ایسی نماز ہے جو حکمران کے اہتمام میں اس کے تحت پڑھی جاتی ہے، یہ اگر اس کے بغیر شروع کر دی جائے تو اس کے نتیجے میں کوئی مسجد خدا کی مسجد نہیں رہتی، وہ پھر دیوبندیوں کی

ہوتی ہے، بریلویوں کی ہوتی ہے، اہل حدیث کی ہوتی ہے،شیعہ کی ہوتی ہے،سنی کی ہوتی ہے؛اس کے نتیجے میں عالمی فساد برپا ہوتا ہے اوراس کے نتیجے میں پیررل اسٹیٹ وجود میں آجاتی ہے،جس کے بعدفتنہ ہی فتنہ ہے اور کچھ نہیں!!

jumma prayers in non Muslim countries)

(www.youtube.com

جمعہ کا تعلق، میں اس سے پہلے عرض کر چکا ابھی اسی نشست میں کہ یہ تو اسٹیٹ سے متعلق ہے، ریاست کا حکمران یا اس کا نمائندہ اگر جمعہ کا خطبہ دینے کے لئے آتا ہے تو اس کا خطبہ سننا لازم ہے، اس وقت تو جمعہ اصل میں تیمم کے طریقہ پر لوگ پڑھ رہے ہیں، اس کا کوئی تعلق نہیں، بلکہ میں نے تو ہمیشہ کہا ہے کہ غیر مسلم ملکوں میں جا کر جمعہ پڑھنے کا جو نتیجہ نکلا ہے کوئی ضروری نہیں تھا بالکل ہونا ہی نہیں چاہیے تھا،لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سارے فرقے جو ہمارے یہاں پائے جاتے تھے وہ یہاں بھی موجود ہیں۔

(Juma khitab and khutba youtube.com)

جاوید احمد غامدی کے یہ بیانات محض دعوؤں کا انبار ہے، دلیل نام کی کوئی چیز ان میں موجود نہیں ہے مگر ہم قارئین کے اطمینان کے لیے آسان زبان میں اول ان کے دعوؤں کا تجزیہ کر لیتے ہیں پھر دلیل کے پیرائے میں انہوں نے جو باتیں کہی ہیں ان کا جائزہ لیتے ہیں کہ آیا فی الواقع ان کو دلیل کا نام دینا درست بھی ہے اور جتنے بڑے دعوے انہوں نے کیے ہیں کیا اتنے وزن دار؛ ان کے دلائل بھی ہیں؟

پہلا دعویٰ: جمعہ کی نماز اصل میں ریاست کو مسجد سے متعلق کرنے کے لئے فرض کی گئی ہے۔

دوسرا دعویٰ: جمعہ کی فرضیت عام لوگوں پر ثانوی طریقہ سے ہے یعنی حکمران اگر جمعہ کا انعقاد کرے تو ان پر جمعہ فرض ہوگا ورنہ ان کو ظہر پڑھنا چاہیے، اسی وجہ سے قرآن مجید نے کہا ہے: **اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ.**

تیسرا دعویٰ: تمام جلیل القدر فقہاء خاص طور پر امام ابوحنیفہؒ سلطان یا اقتدار کو "**من شرائطِ الجمعۃ**" قرار دیتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ میں سے کبھی کسی نے جمعہ نہیں پڑھایا۔

چوتھا دعویٰ: تاریخ اسلام میں جمعہ کا پہلا اہتمام اس وقت ہوا جب مدینہ میں آپ علیہ السلام کو حکومت حاصل ہوئی، خلفائے راشدین بنو امیہ اور بنو عباس کے ابتدائی زمانے میں حکمران ہی جمعہ کا انعقاد کرتے تھے۔

پانچواں دعویٰ: کوئی عالم نہ اس کا خطبہ دے سکتا ہے نہ اس کے منبر پر کھڑا ہو سکتا ہے نہ اس کی نماز کی امامت کر سکتا ہے، جمعہ کا انعقاد حکمرانوں کے بجائے علماء کے ذریعہ ہونے لگے تو اس کے نتیجے میں کوئی مسجد خدا کی مسجد نہیں رہتی، اس سے فرقہ واریت کو فروغ ہوگا اور عالمی فساد برپا ہوگا!

جاوید احمد غامدی کے بیانات اور ان کے دعوؤں کا جائزہ

دعویٰ نمبر ا۔ ۲: جمعہ کی نماز اصل میں ریاست کو مسجد سے متعلق کرنے کے لئے فرض کی گئی ہے! جمعہ کی فرضیت عام لوگوں پر ثانوی طریقہ سے ہے یعنی حکمران اگر جمعہ کا انعقاد کرے تو ان پر جمعہ فرض ہو گا ورنہ ان کو ظہر پڑھنا چاہیے، اسی وجہ سے قرآن مجید نے کہا ہے: اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ!

جاوید احمد غامدی نے اس جملہ کے ذریعہ ایک ایسی بات کا دعویٰ کیا ہے جس کا کوئی سراغ وثبوت اب تک کے اسلامی لٹریچر میں موجود نہیں، ایسے میں ضروری تھا کہ وہ قرآن و حدیث سے صاف صریح دلائل پیش کرتے اور اپنے موقف کو مضبوط و قابلِ قبول بناتے؛ یہاں حال یہ ہے کہ جاوید احمد غامدی کے دونوں بیانات کو از اول تا آخر پڑھ جائیے کوئی ایک بھی ڈھنگ کی دلیل ان میں موجود نہیں ہے! ویسے موجودہ تناظر میں یہ کوئی انوکھی بات نہیں، دعوے کو خود دلیل کے انداز میں پیش کرنا ایک فن کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، پورا عالمی میڈیا اسی چیز پر قائم ہے، جاوید احمد غامدی کے ہم خیال لوگوں کی اب کوئی کمی نہیں رہی ہے، کچھ جوشیلے مزاج لوگوں کا خیال ہے کہ نماز باجماعت، مسلمانوں کے درمیان اتحاد و تنظیم پیدا کرنے کے لئے لازم کی گئی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر یہ مقصد نماز باجماعت کے بغیر حاصل ہو جاتا ہے تو نماز باجماعت کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی، بعض اباحیت پسند لوگوں کا کہنا ہے کہ پچھلے زمانوں میں خنزیر گندگیوں اور غلاظتوں میں نشونما پاتے تھے اس لیے ان کا گوشت حرام تھا، آج انہیں صاف ستھری فضا میں پروان چڑھایا جاتا ہے اس لیے آج کے دور میں ان کا گوشت حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ (اصول الافتاء وادابہ: ۲۴۵)

جاوید احمد غامدی کے طریقۂ استدلال کا تضاد دیکھیے کہ آں موصوف نے ایک طرف

تو داڑھی کے حکم کو یہ کہہ کر دین کا حصہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ قرآن پاک میں اس تعلق سے کوئی ہدایت موجود نہیں مگر دوسری طرف قرآن کی کسی ہدایت کے بغیر جمعہ کی فرض نماز کو غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں سے ساقط ہی کر ڈالا، آں موصوف نے اس موقع پر جو قرآنی دلیل دی ہے وہ یہ ہے کہ: "قرآن مجید نے کہا ہے **(و) اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعہ فاسعوا الی ذکر اللہ** یعنی جب جمعہ کے لیے اذان دی جائے جمعہ کے لئے بلایا جائے تو اس وقت اپنے کاروبار چھوڑو" عالی مقام ناظرین اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ اس آیت میں کیا کہیں دور کا اشارہ بھی اس بات کا ملتا ہے جو جناب جاوید احمد غامدی نے کہی ہے؟ تفسیر اور فقہ وحدیث کی تاریخ میں تا حال کسی نے بھی اس آیت سے وہ حکم نہیں نکالا جو جناب جاوید احمد غامدی نے نکالا ہے۔

آیتِ جمعہ میں "نودی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو "نداء" سے ماخوذ ہے جس کے معنی اذان کہنے اور لوگوں کو نماز کے لئے بلانے کے آتے ہیں، اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کا قیام اس طور پر ہونا چاہیے کہ اس کے لیے لوگوں کو بلایا جائے اور ہر ایک کو اس میں شریک ہونے کا موقع دیا جائے، فقہائے کرام اس کو "اذنِ عام" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، ملک العلماء علامہ کاسانیؒ المتوفی ۵۸۷ھ نے اس آیت کے ذریعہ اسی شرط پر استدلال فرمایا ہے کہ اذن عام کو انعقادِ جمعہ کے لئے شرط اس لیے قرار دیا گیا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اذانِ جمعہ کو نمازِ جمعہ کے لیے مشروع کیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر یعنی خطبہ کی طرف آؤ۔

ملک العلماء علامہ کاسانیؒ المتوفی ۵۸۷ھ فرماتے ہیں: اذان تو اشتہار یعنی لوگوں کو بلانے کے لیے ہوتی ہے اور جمعہ کو جمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں بہت سی جماعتوں کا

اجتماع ہوتا ہے،بس یہ بات تقاضا کرتی ہے کہ تمام جماعتیں ایسی ہونی چاہیے جن کو جمعہ میں حاضری کی اجازت ہواور یہ اجازت عام ہو کہ کسی کو آنے سے نہ روکا جائے۔

وانما كان هذا شرطا لان الله تعالى شرع النداء لصلاة الجمعة بقوله تعالى ياايها الذين امنوا اذا نودي للصلاه من يوم الجمعه فاسعوا الى ذكر الله والنداء للاشتهار____ ولذا سمي جمعة لإجتماع الجماعات فيها فاقتضى ان تكون الجماعات كلها ماذونين بالحضور اذنا عاما تحقيقا لمعنى الاسم. (بدائع الضائع:۱/ ۶۰۴)

جاوید احمد غامدی کی تحریرات و بیانات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک طرزِ استدلال پر قائم نہیں رہتے، ایک جگہ جس اصول و قاعدے کے ذریعہ وہ شدومد کے ساتھ استدلال کرتے دکھائی دیتے ہیں تو دوسری جگہ وہ اُسے اتنا ہی بے اعتبار قرار دیتے نظر آتے ہیں، یہ چیز آدمی کے یا تو غیر محقق ہونے کی دلیل ہوتی ہے یا غیر مخلص ہونے کی، زیرِ بحث مسئلہ میں جاوید احمد غامدی نے جمعہ کے قیام کے لیے سلطان یا مسلمان حاکم کے موجود ہونے کی شرط کو محض ”اذا نودی للصلاۃ“ کہ جملے سے برآمد کرلیا حالاں کہ عربیت وفقاہت ہر دولحاظ سے اس جملہ سے اس شرط پر کوئی ہلکی روشنی بھی نہیں پڑتی مگر آں جناب کو کیوں کہ غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کو ان کی مذہبی شناخت سے محروم کرنا اور ان کے دلوں اور ان کی آئندہ نسلوں سے جمعہ کی عظمت نکالنا مقصود تھا، اس لیے انہوں نے تنکوں کا یہ پُل تعمیر کرلیا۔

خاص طور پر فقہاءِ احناف نے زکوٰۃ کی ادائیگی درست ہونے کے لئے تملیکِ ذاتی کی شرط لگائی ہے یعنی ذاتی طور پر مالِ زکوۃ کا کسی مستحق کو مالک بنانا ضروری

ہے،فقہائے احناف نے اس شرط پر اُس ”لام“ کے ذریعہ استدلال فرمایا ہے جو آیت صدقات میں مصارفِ زکوۃ اور مستحقینِ زکوٰۃ کی اصناف پر لگا ہوا ہے،انما الصدقات للفقراء۔(سورۃ توبہ:٦٠)

عربی زبان میں”لام“ تملیک واختصاص کے لئے آتا ہے،کلامِ عرب میں اس کے بے شمار نظائر ہیں،سیرت وسنت سے بھی احناف کے اس موقف کی تائید ملتی ہے،مگر جاوید احمد غامدی کو چونکہ بے وجہ فقہائے احناف کے اس موقف کو مسترد کرنا تھا اس لئے صاف لکھ ڈالا کہ زکوۃ کے مصارف پر تملیکِ ذاتی کی جو شرط ہمارے فقہاء نے عائد کی ہے اس کے لیے کوئی ماخذ قرآن وسنت میں موجود نہیں ۔(میزان:٣٥٠)

اپنی من گھڑت سوچ وفکر کے ذریعہ وحیٔ خداوندی کو آلودہ و پراگندہ کرنے کی کوشش کرنے والوں کے سلسلہ میں بے اختیار یہ لطیفہ نوکِ قلم پر آرہا ہے کہ ایک عورت عید کا چاند دیکھنے کھڑی ہوئی اور اس سے پہلے اس نے اپنے بچے کا پاخانہ کپڑے سے پونچھا تھا جس میں سے کچھ نجاست اس کی انگلی کو لگی رہ گئی،عورتوں کی عادت ہے کہ وہ ناک پر انگلی رکھا کرتی ہیں اس نے جو ناک پر انگلی رکھ کا چاند دیکھا تو پاخانہ کی بدبو ناک میں پہنچی تو وہ کہتی ہے اوئی! اب کے چاند کیا سڑا ہوا نکلا ہے!!(حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات:٢٤٨)

نمازِ جمعہ کی فرضیت قرآن وحدیث کی قطعی نصوص سے ثابت ہے،

قرآن مجید کہتا ہے:اے مسلمانو!جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت کو چھوڑ دیا کرو اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔(سورۃ الجمعۃ:٩)

چند احادیث ملاحظہ ہوں:

(۱) جمعہ کی نماز چھوڑنے سے لوگ لازماً باز رہیں ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگادے گا اور وہ غافلوں میں سے ہوجائیں گے۔

(نسائی عن ابن عمرؓ وابن عباسؓ: ۱۳۷۰ باب التشدید فی التخلف عن الجمعۃ)

(۲) جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ کے دن جمعہ کی نماز پڑھنا ضروری ہے سوائے بیمار آدمی کے یا مسافر آدمی کے یا عورت اور بچے اور غلام کے، لہذا جو شخص کھیل تماشہ اور تجارت میں پڑھ کر جمعہ سے بے نیازی ظاہر کرے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اس سے بے نیازی اختیار فرمائیں گے اور اللہ بے نیاز تعریف کے لائق ہیں۔ (سنن دارقطنی: ۱۵۷۶ باب من تجب علیہ الجمعۃ عن جابرؓ، المعجم الاوسط للطبرانی: ۷۳۲۰ عن ابی سعیدؓ -۷۷۱۰ عن ابی ہریرہؓ)

(۳) جو شخص لگاتار تین جمعہ سستی کی بنا پر چھوڑ دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگادیں گے۔ (ترمذی عن ابی الجعد: ۵۰۰ باب ماجاء فی ترک الجمعۃ بغیر عذر)

(۴) جمعہ کی نماز کے لئے سویرے چلا جانا ہر بالغ آدمی پر واجب ہے۔

(نسائی عن حفصہؓ: ۱۳۷۱-المعجم الاوسط: ۴۸۱۶)

(۵) میرا ارادہ ہوا کہ کسی آدمی کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دوں پھر (جاکر) ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگادوں جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

(مسلم: باب فضل صلاۃ الجمعۃ بحوالۂ کنز العمال: ۲۱۱۳۱)

اِن نصوص کے ہوتے ہوئے کیا یہ بات معقول ہوسکتی ہے کہ کسی آیتِ قرآن کی سیاسی و پارلیمانی تفسیر کرکے جمعہ جیسے اہم فریضہ کو داؤ پر لگا دیا جائے؟ غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے حق میں کیا یہ خیر خواہی کی بات ہوسکتی ہے کہ آیتِ جمعہ کی من

گھڑت تفسیر کر کے ان کو اس فریضہ سے بھی سبکدوش کر دیا جائے جو وہاں ان کے ایمانی وجود اورتحفظِ دین کی واحد بڑی نشانی بنا ہوا ہے؟؟!!

جاوید احمد غامدی عجیب سیماب صفت انسان معلوم ہوتے ہیں، ایک طرف تو انہوں نے اسلامی نظام کے قیام کی ہر سنجیدہ کوشش کو غیر آئینی قرار دے دیا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے بعد غلبۂ دین کی خاطر (اقدامی) جہاد کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے۔(میزان:۵۹۹، برہان:۱۷۳-۲۶۷ ،اشراق اپریل ۲۰۱۱ء ص:۲) اور دوسری طرف شعائرِ اسلام خاص طور پر جمعہ کی فرضیت اور اُس کے قیام کے لئے مسلم حکمران کی شرط کو ضروری قرار دے دیا ہے، دونوں قضیوں کو آپس میں ملانے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمان اپنا کوئی نصب العین یا دینی نظام طئے کرنے کے بجائے حالات اور نظریاتِ زمانے میں ضم ہوتے چلے جائیں اور اپنے دینی وملیّ تشخص سے بتدریج ہاتھ دھو بیٹھیں!!

دعویٰ نمبر ۳: تمام جلیل القدر فقہاء خاص طور پر امام ابوحنیفہؒ سلطان یا اقتدار کو"من شرائطِ الجمعۃ" قرار دیتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ میں سے کبھی کسی نے جمعہ نہیں پڑھایا!

اول تو تمام جلیل القدر فقہاء میں سے تین ائمہ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نمازِ جمعہ کے قائم کرنے کے لیے سلطان کی اجازت کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ جس زمانہ میں خلیفۂ وقت حضرت عثمانؓ بلوائیوں کے محاصرے میں تھے، اس سارے زمانے میں حضرت علیؓ؛ حضرت عثمانؓ سے اجازت لئے بغیر جمعہ کی نماز قائم کرتے رہے اور یہ کام حضرت علیؓ نے تمام صحابہؓ کی موجودگی میں فرمایا گویا اس پر صحابہؓ کا اجماع

ہے، ائمہ ثلاثہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ جمعہ کی نماز ایک بدنی عبادت ہے جس کا قیام کسی کی اجازت پر موقوف نہیں رکھا جا سکتا۔ (الموسوعۃ الفقہیہ : ۳/ ۱۵۵)

فقہ حنبلی کے مستند ترجمان علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ المتوفی ۶۲۰ھ بھی یہی تفصیل اپنی کتاب میں رقم فرماتے ہیں؛ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ملکِ شام میں نو سال تک فتنہ اور یورش کے حالات رہے مگر لوگ پھر بھی جمعہ قائم کرتے رہے، اس کے علاوہ عام زمانوں میں لوگ دیہاتوں میں بھی کسی کی اجازت کے بغیر جمعہ قائم کرتے آرہے ہیں، مزید جمعہ کی نماز باقی نمازوں کی طرح بذاتِ خود ایک فرضِ عین نماز ہے اس میں کسی کی اجازت کا کیا معنی؟

یہ صحیح ہے کہ شروع ہی سے لوگ حکمرانوں کے نظم وانتظام میں اس کو قائم کرتے چلے آئے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حکمرانوں کے بغیر اس کو قائم کرنا حرام ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے فریضۂ حج شروع ہی سے حکمرانوں کے انتظام میں ادا ہوتا رہا ہے، (زکوۃ کی وصولی بھی انہیں کے توسط سے ہوا کرتی تھی) یہاں یہ کہنا قطعاً درست نہیں کہ فریضۂ حج کی ادائیگی (یا زکوۃ ادا کرنا) حکمرانوں کے بغیر حرام ہے۔ (المغنی لابن قدامہ: ۲/ ۲۴۶)

دوم: فقہائے احناف نے بھی جواذنِ سلطان کی شرط لگائی ہے وہ بذاتِ خود مطلوب نہیں بلکہ یہ شرط اس بات کو یقینی بنانے کے لیے ہے کہ جمعہ کی نماز کسی سے فوت نہ ہونے پائے، ہر ایک کو جمعہ کی نماز میں شریک ہونے کا موقع ملے، کسی کی شرارت کی وجہ سے جمعہ جیسا عظیم فریضہ فوت نہ ہونے پائے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان ممالک میں کسی بد دین سلطان کو نمازِ جمعہ ساقط کرنے کا اختیار ہے یا غیر مسلم ممالک میں مسلمان آپسی اتفاق سے کسی کو اپنا امام بنا کر اس کے پیچھے نماز پڑھیں تو اسے جمعہ نہیں کہا جائے گا۔

علامہ سرخسیؒ المتوفی ۴۸۳ھ فقہ حنفی کے قدیم ومستند ترجمان ہیں وہ فرماتے ہیں:

ہم نے جمعہ میں سلطان کواس لئے شرط قرار دیا ہے تاکہ بعض شہر والے بعض کی نمازِ جمعہ کوفوت کرنے کا سبب نہ بنیں، لہذا اگر کوئی جمعہ کی نماز میں رکاوٹ ڈالتا ہے تو سلطان اس سے نمٹے گا تاکہ اذنِ عام اور انعقادِ جمعہ میں خلل پیدا نہ ہو۔

وانما جعلنا السلطان شرطافي الجمعة لان لا يفوت بعض اهل المصر على البعض صلاة الجمعه لذلك لا يكون للسلطان ان يفوت الجمعة على اهل المصر فلهذا شرطنا الاذن العام فی ذلک۔(مبسوط:۲/۱۲۰)

یہی وجہ ہے کہ اگر خود سلطان بھی کوئی ایسی کاروائی کرتا ہے جس سے دوسرے لوگوں کا جمعہ کی نماز میں شامل ہونے کا حق فوت ہوتا ہوتو خود سلطان کی نمازِ جمعہ بھی درست نہیں ہوتی، علامہ کاسانیؒ بصراحت لکھتے ہیں:

اگر"سلطان" اپنے قلعہ وغیرہ میں نمازِ جمعہ ادا کرے اور عوام"سلطان کے امراء" کے ساتھ جامع مسجد میں نماز ادا کریں تو اگر سلطان نے قلعہ کے دروازے کو کھلا رکھا اور عام لوگوں کو قلعہ میں آنے کی اجازت دی تو سلطان کا جمعہ جائز ہوگا اسی طرح جامع مسجد میں لوگوں کا جمعہ بھی جائز ہوگا اور اگر سلطان نے عام لوگوں کو قلعہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی اور قلعہ پر موجود لشکر کے ساتھ نماز پڑھ لی تو اس صورت میں سلطان کا جمعہ جائز نہ ہوگا جبکہ جامع مسجد میں جمعہ جائز ہوگا۔

ولولم يأذن للعامةوصلى مع جيش لا تجوز صلاة السلطان وتجوز صلاةالعامة(بدائع الضائع:۱/ ۶۰۳)

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: جمعہ قائم کرنے کی زیادہ ذمہ داری امام کے اوپر ہے، چنانچہ حضرت علیؓ کے فرمان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے مگر بایں ہمہ امام کا موجود ہونا

کوئی شرط نہیں ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/ ۹۹)

بِرِّصغیر میں انگریزوں کی حکومت قائم ہونے کے وقت کی بات نہیں، اس سے صدیوں پہلے فقہائے احناف نے اس مسئلہ کی تصریح کردی کہ جب کسی ملک میں نہ سلطان ہو اور نہ ایسا حاکم ہو جس کی طرف سے قاضی کا مقرر کیا جانا درست ہو جیسا کہ مغربی علاقوں میں اس وقت قرطبہ، بلنسیہ اور حبشہ شہر ہیں کہ مسلمانوں سے کچھ خراج وصول کر کے یہاں کے حکمرانوں نے یہاں ان کے قیام کو باقی رکھا تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے ہی میں سے بہ اتفاق رائے ولی مقرر کرلیں اور وہ ولی یا تو خود مسلمانوں کے تنازعات کا فیصلہ کرے یا اس کام کے لیے کسی اور کو قاضی مقرر کردے۔

(فتح القدیر للعلامہ ابن الھمام المتوفی ۸۶۱ ؁ھ :۶/ ۳۶۵)

علامہ بزازیؒ المتوفی ۸۲۷ ؁ھ فرماتے ہیں: جن شہروں پر کفار مسلط ہوں تو وہاں جمعہ اور عیدین کا قائم کرنا جائز ہے اور قاضی مسلمانوں کی آپسی رضامندی سے منصبِ قضا پر فائز ہوسکتا ہے نیز وہاں مسلمانوں پر واجب ہے کہ کسی مسلمان کو اپنا امیر بنانے کا مطالبہ کریں۔ (فتاویٰ بزازیہ علی ھامش الھندیہ:۶/ ۳۱۱ کتاب السیر)

اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات کہنا کہ امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ میں سے کبھی کسی نے جمعہ کی نماز نہیں پڑھا یا اتنی ہی نامعقول ہے جیسے کوئی کہے امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ میں سے کبھی کسی نے زکوۃ کی وصولی نہیں کی، کبھی امیر الحج بن کر لوگوں کو حج نہیں کرایا!! لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

دعویٰ نمبر ۴-۵: تاریخِ اسلام میں جمعہ کا پہلا اہتمام اس وقت ہوا جب مدینہ میں آپ علیہ السلام کو حکومت حاصل ہوئی، خلفائے راشدین بنوامیہ اور بنوعباس کے ابتدائی

زمانے میں حکمران ہی جمعہ کا انعقاد کرتے تھے، کوئی عالم نہ اس کا خطبہ دے سکتا ہے نہ اس کے منبر پر کھڑا ہوسکتا ہے نہ اس کی نماز کی امامت کرسکتا ہے، جمعہ کا انعقاد حکمرانوں کے بجائے علماء کے ذریعہ ہونے لگے تو اس کے نتیجے میں کوئی مسجد خدا کی مسجد نہیں رہتی، اس سے فرقہ واریت کو فروغ ہوگا اور عالمی فساد برپا ہوگا!

تقریباً شرائعِ اسلام کی صورتحال یہی ہے، بہت سارے احکام کی فرضیت ہی مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد ہوئی ہے اور بعض احکام مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکے تھے مگر ان پر عمل آوری مدینہ منورہ آنے کے بعد ہوئی ہے، جمعہ کی نماز کے بارے میں بھی ایک رائے یہی ہے کہ مکہ مکرمہ میں اس کی فرضیت ہوگئی تھی مگر وہاں قائم کرنے کا موقع اس لیے نہیں مل سکا کہ علی سبیل الاشتہار اور اذنِ عام کے ساتھ قیام ممکن نہ تھا اگرچہ جمعہ کے باقی شرائط بشمول امام وسلطان کا بھی وجود تھا۔

علامہ ظفر احمد عثمانی المتوفی ۱۳۹۴ھ رقمطراز ہیں:

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال اذن النبي الجمعة قبل ان يهاجر ولم يستطع ان يجمع بمكة قلت: وفي الحديث دلالة على ان شرط الجمعة ان تؤدي على سبيل الاشتهار لما فيه ان النبي صلى الله عليه وسلم اذن الجمعة قبل ان يهاجر ولم يستطع ان يجمع بمكة ولا يخفى ان مكة موضع صالح للجمعة حتماً لكونها مصرا ولم يكن النبي صلى الله عليه وسلم عاجزا عن الوقت ولا عن الخطبة والجماعة لاجل كونه مستخفيا في بيت فانه كان يقيم سائر الصلوات بالجماعة كذلك لكنه لم يستطع ان يؤدي الجمعة على سبيل الاشتهار والاذن العام لما فيه من مخافة اذى الكفار وهجومهم على المسلمين ففيه دليل قول الحنفيه

باشتراط اذن العام للجمعۃ. (اعلاء السنن: باب وقت الجمعۃ بعد الزوال: ۸ / ۵۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صریح ہدایت کے بغیر یہ مفروضہ قائم کر لینا کہ تخت و اقتدار کے ساتھ جمعہ کی فرضیت جڑی ہوئی ہے، ایک ایسا مغالطہ ہے جس کی بنا پر بہت سارے شرائعِ اسلام کو عمل کے خانے سے اٹھا کر نسخ کے خانے میں ڈالنا پڑے گا، ظاہر ہے یہ اس دین کی ابدی شان کے منافی ہے جو قیامت تک باقی رہنے کے لئے آیا ہے۔

خلفائے راشدین نہ صرف جمعہ کی نماز پڑھایا کرتے تھے بلکہ عام نمازیں بھی انہی کے ذمہ تھیں، نبی پاک ﷺ بھی مرض الوفات کے ایام کے علاوہ مسجدِ نبوی میں خود امامت فرمایا کرتے تھے، اس سے یہ نتیجہ نکالنا کیا درست ہوگا کہ سلطان و حاکم کے سوا کوئی نمازوں کی امامت کر ہی نہیں سکتا، بات دراصل یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ امام الانبیاء اور اولین و آخرین کے علوم کے حامل تھے، حضرت صدیق اکبرؓ باقی صحابہؓ میں سب سے بڑے عالم تھے، حضرت عمرؓ کی فقاہت و فراست بے مثال تھی، قرآن پاک کی پندرہ آیتیں آپ کی رائے کے موافق نازل ہوئی تھیں، (مرقاۃ المفاتیح ، باب مناقب عمرؓ: الفصل الثالث) حضرت عثمانؓ جامع القرآن تھے اور حضرت علیؓ باب العلم اور گروہ صحابہؓ میں سب سے بڑے قاضی تھے، پھر ان جملہ خلفاء کا انتخاب اسلامی اور شرعی طریقہ سے ہوا تھا، بعد کے ادوار میں باستثناءِ چند حکمران، نہ سلاطینِ اسلام میں یہ علمی و عملی شان باقی رہ گئی تھی نہ ان کا انتخاب کوئی اسلامی اصولوں کے مطابق ہوا کرتا تھا، اس لئے خلفائے راشدین کی امامت و اقامتِ جمعہ کا حوالہ دے کر اب کے دور کے حکمرانوں کو منبر و محراب سپرد کرنے کی بات کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی نامرد انسان کو نکاح کے فضائل و فوائد سنا کر اس کو نکاح پر تیار کرنا اور کسی معصوم دوشیزہ کو اسکی بھینٹ چڑھا دینا!!

جاوید احمد غامدی اگر موجودہ علماء سے اِس بات کو بنیاد بنا کر جمعہ کا منبر و محراب چھیننا چاہتے ہیں کہ وہ حکمران نہیں ہیں تو ان کو چاہئے کہ وہ اِس بات کو بنیاد بنا کر حکمرانوں سے بھی تختِ حکومت چھیننے کی تحریک چلائیں کہ موجودہ حکمران علماء نہیں ہیں، یہ عجیب بات ہے کہ علماء کو تو حکمران نہ ہونے کی بنا پر منبر و محراب سے محروم کر دیا جائے اور حکمرانوں کو جاہلِ مطلق ہونے کے باوجود حکومت پر برقرار رکھا جائے جبکہ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ علم و امانت اور صلاح و تقویٰ کو حاکم کے لازمی اوصاف کے بطور بیان کیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان سے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ زمین میں ان کو اسی طرح حکومت عطا فرمائیں گے جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی۔ (سورۂ نور: ۵۵)، نبی نے کہا: اللہ نے اس کو (طالوت کو) تم پر بادشاہت کے لیے منتخب کر لیا ہے اور علمی و جسمانی اعتبار سے اس کو فوقیت عطا کی ہے۔ (البقرہ: ۲۴۷)، حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام دونوں جلیل القدر پیغمبر بھی تھے اور صاحبِ اقتدار و حکومت بھی، قرآن مجید ان کے بارے میں کہتا ہے: دونوں ہی کو ہم نے حکمت اور علم سے نوازا تھا۔ (الانبیاء: ۷۹)، حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام سلطنتِ مصر کے فرمانروائے اعلی ہو گئے تھے ان کے بارے میں قرآن پاک کہتا ہے: ہم نے ان کو حکومت اور علم سے نوازا۔ (یوسف: ۲۲) اگر اِن اوصاف کے بغیر حکومت مل جائے تو پھر عالمی فساد اس صورت میں برپا ہوتا ہے نہ کہ علماء کے حوالے منبر و محراب کرنے سے، قرآن مجید کہتا ہے: جب بادشاہ کسی بستی میں جاتے ہیں تو اسے تہس نہس کر دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل و رسوا کیا کرتے ہیں۔ (سورۂ نمل: ۳۴)

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

خلفائے راشدین کے بعد منبر ومحراب حکمرانوں کے حوالہ ہوا تو امت کو اس کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑا، اسلامی تاریخ اس کی گواہ ہے، اقتدار آنے پر نہ صرف ایوانوں سے مخالفین کی آواز اور اُن کے وجود کو کچلا گیا بلکہ مسجد کے منبر ومحراب سے بھی دل کھول کر انتقام لیا گیا؛ فسق وفجور اور دشنام طرازیوں کا الگ ارتکاب کر کے مصلیٔ رسول کے تقدس کو پامال کیا گیا۔

خلافتِ راشدہ کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا، بس اس کا قریبی زمانہ ہی تھا، ایک علاقہ (کوفہ) کا گورنر" زیاد" نام کا جمعہ کے منبر پر قابض تھا، اتنا طویل خطبہ دیا کہ نماز کا وقت نکلنے لگا، ایک جلیل القدر تابعی یا بقولِ بعض صحابیٔ رسول حضرت حجر بن عدیؓ المتوفی ۵۱ سنہ ھ نے اس کو" الصلاۃ" کہہ کر دو تین دفعہ توجہ دلائی، اس کے باوجود زیاد نے خطبہ موقوف نہیں کیا، جب بالکل ہی اخیر وقت ہونے لگا تو حضرت حجر بن عدیؓ اچھل کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، لوگوں نے بھی ان کا ساتھ دیا، یہ دیکھ کر زیاد منبر سے فوری اتر گیا اور لوگوں کو نماز پڑھا دی، مگر حجر بن عدیؒ کے اس طرح کے کاموں کا انجام یہ ہوا کہ ان کو تہِ تیغ کر دیا گیا۔

(تاریخ طبری:۵/ ۲۵۷)

عبدالملک بن مروان المتوفی ۸۶ سنہ ھ نے اپنے دو بیٹوں ولید اور سلیمان کی ولی عہدی کی بیعت لینے کی غرض سے ہشام بن اسماعیل کو مدینہ کا عامل مقرر کیا، ہشام بن اسماعیل نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا تو لوگوں نے بیعت کر لی مگر حضرت سعید بن مسیبؒ باز رہے اور غور وفکر کی مہلت چاہی، ہشام بن اسماعیل اس پر برافروختہ ہوا اور نقد ان کو ساٹھ کوڑے مارے پھر داخلِ زنداں کر کے سخت تکالیف دیں، بعد ازاں عبدالملک بن مروان کی سرزنش پر ہشام باز آیا، مگر سعید بن مسیبؒ کا برابر دشمن بنا رہا، ہشام بن اسماعیل جب جمعہ کا خطبہ دیتا تھا تو حضرت سعید بن مسیبؒ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے، ہشام بن

اسماعیل نے ایک داروغہ مقرر کر دیا جو حضرت سعید بن مسیبؒ کی گردن کو دبوچ کر ہشام کی طرف موڑنے پر مامور تھا۔(تاریخ دمشق: ۳۷/۳۸۹)

ہشام بن اسمٰعیل المتوفی ۸۸ سنہ ھ حضرت علی بن حسین المتوفی ۹۵ سنہ ھ اور اہلِ بیت کو بھی خوب ایذا دیا کرتا تھا برسر منبر حضرت علیؓ کی شان میں گستاخیاں کرتا تھا، جب ولید بن عبدالملک المتوفی ۹۶ سنہ ھ خلیفہ بنا تو اس نے ہشام کو معزول کیا اور اس کو سزا بھی دی۔

(تاریخ طبری: ۱۱/۶۳۱ - تاریخ دمشق: ۳۷/۳۸۰)

عباسی حکمران منصور المتوفی ۱۵۸ سنہ ھ امام حسنؓ کی چوتھی پشت کی اولاد امام محمد نفس الزکیہؒ، ان کے بھائی ابراہیمؒ والد عبداللہؒ اور خاندان کے بارہ افراد کو انتقامی کاروائی کرتے ہوئے بڑی بے دردی سے شہید کروا دیا تھا، اور نفسِ زکیہؒ کا سر مدینہ میں کاٹ کر منصور کے پاس (بغداد) روانہ کیا گیا۔(الاعلام للزرکلی: ۶/۲۲۰)

سلطنتِ عباسیہ کا اصل بانی ابوجعفر المنصور المتوفی ۱۵۸ سنہ ھ کے چچا بزرگوار سلیمان بن علی نے امام دارالہجرۃ امام مالک بن انس کو محض اس بنا پر ستر کوڑے لگائے تھے کیوں کہ انہوں نے ایک معاملہ کو حق سمجھ کر اس کی تائید کی تھی اور لوگوں کے پوچھنے پر اس کے مطابق فتویٰ بھی دیا تھا۔(المنتظم فی تاریخ الملوک لابی الفرج الجوزی المتوفی ۵۹۷ سنہ ھ: ۸/۱۰۶ وفیہا ضرب مالک انس بن مالک)

گورنرِ کوفہ ولید بن عقبہ المتوفی ۶۱ سنہ ھ نے اہلِ کوفہ کو فجر کی نماز نشہ کی حالت میں دو کے بجائے چار پڑھا دی، سلام پھیرنے کے بعد لوگوں سے کہنے لگا: کچھ اور زیادہ کر دوں؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: جب سے تو گورنر بنا ہے تب سے آج تک ہم زیادتی ہی میں جی رہے ہیں۔(اسد الغابہ: ۴/۲۷۶ الکامل فی التاریخ: ۲/۴۷۸)

سرسری طور پر میں نے ان چند واقعات کومنظرِ عام پر لایا ہے،تاریخ کی کتابیں اِن جیسے سینکڑوں واقعات سے بھری پڑی ہیں،جاوید احمد غامدی کیا پندرہویں صدی کی اوچھی سیاست اور جمہوری غلاظت کومنبرومحراب کی زینت بنانا چاہتے ہیں؟ تاریخ شاہد ہے کہ علماء وصلحاء نے مجموعی اعتبار سے کبھی منبرومحراب کا ناروا استعمال نہیں کیا ہے،تاریخ میں اس کی شاید ایک مثال بھی موجود نہیں کہ علماء وصلحاء نے منبر سنبھالا ہواور اس کے ذریعہ کسی محاذی حکومت کو قائم کیا ہو۔

جاوید احمد غامدی کا یہ دعویٰ بھی بے بنیاد ہے کہ علماء وفقہاء کے پاس جمعہ کا منبر و محراب نہیں تھا،واقعہ یہ ہے کہ تاریخ میں ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں کہ علماء وفقہاء نے جمعہ کے منبرومحراب کو ہر زمانے میں اپنی خطابت سے رونق بخشی ہے،مروان نے ایک موقع پر رئیس المحدثین حضرت سیدنا ابو ہریرہ ؓ کو مدینہ میں اپنا نائب بنا کر مکہ روانہ ہوا تھا،حضرت ابو ہریرہ ؓ نے جمعہ کی امامت فرمائی اور اس میں دوسری رکعت میں سورۂ منافقون کی تلاوت فرمائی۔(الاحکام الصغری:۱/۳۲۰)

حضرت ابو وائل ؒ فرماتے ہیں: حضرت عمار بن یاسر ؓ نے ہم کو خطبہ دیا جو مختصر ہونے کے باوجود بلیغ ترین تھا جب وہ منبر سے اترے تو ہم نے ان سے کہا: آپ نے مختصر و جامع خطبہ دیا ہے کچھ اور لمبا کرتے تو اچھا تھا! حضرت عمار ؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آدمی کی نماز کا لمبی ہونا اور خطبہ کا مختصر ہونا اس کے تفقّہ کی دلیل ہے۔(مسلم: کتاب الجمعۃ:۸۶۹)

بعد کے ادوار میں قاضی القضاۃ بدرالدین محمد بن قاضی القضاۃ جلال الدین قاہرہ سے دمشق تشریف لائے تو ان کے ذمہ دو منصب تھے(۱) دمشق کی جامع مسجد اموی کی

خطابت (۲) مدرسہ شامیہ جوانیہ کی تدریس۔ (تاریخ ابن الوردی ۲ / ۲۷۲)

امیر المومنین حاکم بامر اللہ نے ایک موقع پر جمعہ کے دن" جامع قلعۃ الجبل" کے منبر سے ایک جہادی خطبہ دیا تھا جو دراصل عالم کبیر حضرت شیخ شرف الدین ابن المقدس نے اس کو تیار کر کے دیا تھا۔ (تاریخ الاسلام للذہبی: ۱۰ / ۵۲)

شیخ عزالدین احمد بن الفاروثی، بلند پایہ عالم دین، خطیب العصر اور سلسلۂ سہروردیہ کے بانی شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے، ان کے ذمہ دمشق کی خطابت سپرد تھی، ان کے خطبے میں نائبِ سلطنت کے علاوہ فوج کے اہلکار اور عام لوگ شریک رہا کرتے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۱۳ / ۴۰۴)

موجودہ زمانے میں بھی علماء وصلحاء اس فریضہ کو اور اپنے فرضِ منصبی کو بحسن وخوبی نبھا رہے ہیں، مثبت انداز میں سلف کی تعلیمات اور قرآن وحدیث کی مقبولِ عام تشریحات کو امت کے سامنے پیش کر رہے ہیں، ان کی اصلاح و ہدایت کے کام کو نبوی دردو کڑھن کے ساتھ انجام دے رہے ہیں اور ورثۃ الانبیاء ہونے کے حق کو ادا کرنے کی سعی کر رہے ہیں، اس لئے علماء وصلحاء سے منبر ومحراب چھیننے کا نظریہ ومطالبہ صد فیصد غلط اور امتِ محمدیہ کے حق میں بدخواہی ہے، روزِ اول ہی سے یہ منبر ومحراب اہلِ علم واہلِ انتظام موفّق حضرات کے پاس رہا ہے صدیوں علماء اس کو زینت بخشتے رہے ہیں، جب کبھی یہ منبر ومحراب بے عمل کوتاہ علم اور بدانتظام لوگوں کے پاس گیا اس کے خطرناک نتائج سے امت کو صدیوں دوچار رہنا پڑا، آج بھی یقیناً علماء ودانشوران کی شکل وصورت میں خطباء کا ایک طبقہ؛ فرقہ واریت اور اس سے بڑھ کر باطل اور غلط نظریات کا جمعہ کے مقدس منبر کے ذریعہ پرچار کر رہا ہے اور بہت سے غامدی اور انجینئر مرزا جیسے حضرات جن کو منبر ومحراب پر دیکھنا امت گوارا نہیں کرتی،

انہوں نے اپنے اپنے سوشل میڈ یا پلیٹ فارموں سے وہ طوفان وفساد برپا کیا ہوا ہے کہ منبر و محراب کے ذریعہ رونما ہونے والا انتشار اس کا عشیرِ عشیر کو بھی نہیں پہنچ پاتا،ضرورت اس بات کی ہے کوئی ایک عالمی محکمہ احتساب ہو جو اس جیسے بے لگام اور علم کے نام پر الحاد و دہریت پھیلانے والے خطباء واسپیکرس پر کنٹرول کرے اور ان کے چینلز پر پابندی لگائے اور انکی چرب زبانی سے متاثر ہونے والے سادہ لوح انسانوں کی ایک بڑی جماعت کے ایمان ویقین کے تحفظ کو یقینی بنائے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں بجز چند لوگوں کے کسی کو فتویٰ دینے اور مسئلہ بتانے کی اجازت نہ تھی،جن لوگوں کو فتویٰ کی اجازت تھی ان میں حضرت علیؓ ،حضرت عثمانؓ ،معاذ بن جبلؓ ،عبدالرحمن بن عوفؓ ،ابی بن کعبؓ ،زید بن ثابتؓ ،ابو ہریرہؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ وغیرہ شامل تھے،جن لوگوں کو فتوی کی اجازت نہ تھی،انہوں نے فتوے دیے تو حضرت عمرؓ نے ان کو منع کر دیا۔(الفاروق:۲/ ۷۱)

بنو امیہ کے زمانے میں...... خاص طور پر موسمِ حج میں جبکہ دنیا بھر کے علماء وعوام اکھٹے ہوتے تھے...... مسئلہ بتانے یا فتوی دینے پر عمومی پابندی تھی،حکومت کی طرف سے یہ اعلان ہوتا تھا کہ عطاء بن ابی رباحؒ کے علاوہ لوگوں کو کوئی آدمی فتوی نہ دے۔

بنو عباس کے زمانے میں امام مالک بن انسؒ اور ابن الماجشونؒ کے علاوہ دیگر حضرات کو ان مواقع پر فتوی دینے کی اجازت نہ تھی(طبقات الفقہاء للشیرازی ۶۸/۱)۔

حضرت ربیعہؒ المتوفی ۱۳۶ھ نے فرمایا: یہاں بعض ایسے نااہل لوگ دین میں رائے زنی کا کام انجام دے رہے ہیں جو چوروں کی بنسبت قید و بند کے زیادہ حقدار ہیں۔(اعلام الموقعین : دلالۃ العالم للمستفتی علی غیرہ:۴/ ۱۵۹)

علامہ ابن جوزیؒ المتوفی ۵۹۷ھ نے فرمایا: نالائق لوگوں کو فتوی دینے اور دینی امور میں رائے زنی کرنے سے منع کرنا انتہائی ضروری امر ہے، جو پیشۂ طبابت میں اچھا نہیں ہے اس پر جب پابندی لگائی جاسکتی ہے تو ایسا شخص جسے کتاب وسنت کی معرفت نہیں اور دین کی سمجھ نہیں اس پر پابندی کیوں نہیں لگے گی۔

علامہ ابن تیمیہؒ المتوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں: عجیب بات ہے کہ روٹی بنانے اور پکوان کا کام کرنے والوں پر تو کوئی نگرانِ کار رہو اور دین کا مسئلہ بتانے والے پر کوئی محتسب نہ ہو۔(اعلام الموقعین: ۴/ ۱۶۶ من تصدر للفتوی من غیر اہلہا اثم)

علامہ ماوردیؒ المتوفی ۴۵۰ھ فرماتے ہیں: جو عالم یا فقیہ یہ اسکالر یا واعظ نا اہل ہونے کے باوجود علمِ شریعت کے درپئے ہو، لوگ اس کی زبان وتحریر سے دھوکے میں پڑ جاتے ہوں، اس کی غلط تاویلات وتحریفات کا شکار ہو جاتے ہوں تو اس کو سبق سکھانا اور اس کی نا اہلی کو منظرِ عام پر لانا ضروری ہے۔(الاحکام السلطانیہ، ص: ۲۴۸)

حصۂ سوم

رسالہ

غامدی کی آن لائن نماز باجماعت

(ایک سرسری جائزہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا ومصلّیا اَمابعد!

۲/اپریل ۲۰۲۰ءکو امریکہ سے ایک صاحبِ علم بزرگ جناب حبیب الدین صاحب نے "آن لائن نماز باجماعت" کے موضوع پر جاوید احمد غامدی کا ایک ویڈیو بھیج کراس کے مشمولات کا علمی وعقلی تجزیہ کرنے کی ضرورت ظاہر فرمائی، بندہ نے اس ویڈیو کو دیکھا اور سنا تو اس کے مشمولات اس قدر مضحکہ خیز معلوم ہوئے کہ ان کا جواب دینا بجائے خود ایک فضول کام محسوس ہوتا تھا، جاوید احمد غامدی نے گیارہ منٹ کے اس ویڈیو میں شرعی احکام، مسلماتِ دین اور شعائرِ اسلام کی جو دھجیاں بکھیری ہیں، ان کے ہوتے ہوئے اس کا دور دور تک بھی امکان نظر نہیں آتا تھا کہ کوئی صاحب عقل ان کی باتوں پر کوئی دھیان بھی دے گا یا اس سے آگے بڑھ کر ان کے نظریات کو قبول کرنے کی حماقت بھی کرے گا!!

لیکن بہت سارے ذرائع سے معلوم ہوا کہ حیرت انگیز طور پر تعلیم یافتہ کہلانے والا ایک بڑا طبقہ؛ ان کے اندازِ بیان اور طرزِ استدلال پر فریفتہ اور ان کی چرب زبانی سے سخت متاثر ہے، یہ بات سامنے آنے کے بعد ارادہ ہوا کہ جاوید احمد غامدی کے اس نظریہ کا اور اس کے صغریٰ کبریٰ کا ٹھوس علمی وعقلی دلائل کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور اس حوالے سے امتِ مسلمہ کے سامنے حقائق کو پیش کردیا جائے لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (سورہ انفال: ۴۲)

جاوید احمد غامدی کے نظریہ کی تردید کے لیے کوئی خاص محنت وتیاری کی بحمداللہ ضرورت نہیں پڑی، بس چلتے پھرتے سوچنے ہی سے سارے جوابات ذہن میں آگئے، البتہ

ان کوتحریر میں منتقل کرنے کے لئے کچھ وقت ضرور لگا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کام کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور غلط فہمیوں کے ازالہ کا ذریعہ بنائے اور صراطِ مستقیم پر ہم سب کو گامزن فرمائے....آمین یارب العالمین۔

العبد محمد مکرم محی الدین حامی قاسمی

۱۰/شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ

م ۵/اپریل ۲۰۲۰ء

آن لائن نماز کے بارے میں جاوید احمد غامدی کا بیان

اینکر: گزشتہ دنوں آپ نے جو وائرس کے نتیجے میں صورتحال پیدا ہوئی اور حکومتوں نے بھی پابندی لگائی ہے مسجد میں نماز پڑھنے پر تو ایک رائے دی کہ امامت جو ہے وہ ایوانِ صدر سے کر لی جائے اور Virtually لوگ جو ہیں اس کو دیکھیں اور نماز میں شریک ہو جائیں تو اس رائے کے اوپر بہت زیادہ سوالات کچھ تنقیدات بھی موصول ہوئیں اگرچہ اس رائے کا آغاز ہو گیا ہے؛ ہم دیکھ رہے ہیں کہ امریکہ، کینیڈا خود پاکستان میں بھی اب اماموں نے یہ معمول بنا لیا ہے کہ وہ آن لائن خطبہ دے رہے ہیں نماز پڑھا رہے ہیں؛

سوالات یہ موصول ہوئے ہیں کہ مثلاً اگر یہ ہو جاتا ہے اور اس دوران لائٹ چلی جائے یا لاؤڈ اسپیکر بند ہو جائے یا نیٹ کا پیکج ختم ہو جائے تو فیصلہ کیسے کیا جائے گا کہ اب نماز آگے کیسے بڑھائی جائے؟ اسی طریقے سے یہ کہا گیا کہ قبلہ کی سمت کا کیسے فیصلہ ہوگا؟ امام کو تو آگے ہونا چاہیے تو ایوانِ صدر تو کہیں اور ہے کراچی میں کوئی بیٹھا ہے اور پھر یہ بھی کہا گیا کہ یہ جو عبادت کی شکل یا ہیئت ہے اس کو بھی تبدیل کرنے کی ایک کوشش ہے کل کو کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ عمرہ نہیں ہو سکتا تو وہ بھی آن لائن کر لیا جائے تو اس ساری بحث کو آپ کیسے دیکھتے ہیں؟

جاوید احمد غامدی: یہ ایسا ہی ہوتا ہے؛ جب آپ کوئی بات کہتے ہیں اور وہ لوگوں کے لیے ذرا اجنبی ہوتی ہے تو پہلے پہلے مرحلہ میں لوگ ایسی ہی باتیں کرتے ہیں، یہ ساری بحث یہ خیال کر کے کی جا رہی ہے کہ میں نے گویا نماز با جماعت کا متبادل پیش کر دیا ہے؛ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی، میں نے تو ابھی ایک سوال کے جواب میں یہ کہا کہ نماز با جماعت کی برکتیں غیر معمولی ہیں اور مسجدیں کیوں بنائی گئی ہیں؛ اس لیے بنائی گئی ہیں کہ وہ آباد ہوں، ہمیں وہیں جا کر نماز پڑھنی چاہیے اور با جماعت نماز پڑھنی چاہیے الّا یہ کہ کوئی مشقت پیش آ جائے

،اب مشقت پیش آجائے تو آپ دیکھیں کہ آپ کے یہاں پہلے کیا چیزیں رائج ہیں؟

پہلی چیز یہ کہ آپ معبد میں نہیں جا سکتے، مسجد دور ہے تو آپ جہاں چار آدمی اکھٹے ہیں ؛ جماعت کرالیں، یہ بھی اگر آپ غور کرلیں تو اسی اصول پر آپ کرتے ہیں، ساری برکتیں تو اس میں تھی نا آپ مسجد میں جائیں، ایک جگہ آپ نے متعین کی ہے لیکن آپ پڑھ لیں، اچھا دو چار لوگ بھی نہیں ہیں جن کی جماعت کرائی جا سکے تو پھر آپ تنہا پڑھتے ہیں تو تحمل نہیں ہوسکتا اس مشقت کا تو آپ دوسرے دائرے میں چلے جاتے ہیں۔

اب یہ جتنے سوالات اس معاملے میں کیے جارہے ہیں ذرا غور فرمایئے! سارے سوالات تیمم میں پیدا ہوتے ہیں، یعنی ایسا تو نہیں ہو جائے گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تیمم کی اجازت دی ہے تو لوگ وضو کرنا ہی بھول جائیں گے، اچھا وضو کرنے میں تو بڑا انشاط حاصل ہوتا ہے، ہاتھ پاؤں دھوئے جاتے ہیں؛ منہ دھویا جاتا ہے اس سے تو ہمارے اندر صفائی کا، نظافت کا احساس پیدا ہوتا ہے، خدا کی بارگاہ میں جانے سے پہلے باقاعدہ پاکیزگی حاصل ہوتی ہے، یہ کیا الٹی بات ہوئی کہ آپ نے مٹی مل لی ،کیوں نہیں کہا جاتا یہ؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بات میں نے کہی ہے وہ غیر معمولی حالات کے لیے کہی ہے یعنی اگر ایسی صورت پیش آگئی ہے کہ جس میں اب معبد بند ہو گئے؛ آپ دیکھئے حرمین بند کر دیے گئے، یہ معمولی حادثہ نہیں ہے، مسجدیں بند ہوگئی ہیں، ہمارے ملک میں یہ بحث کی جاری ہے باقی دنیا میں بند ہوگئیں یعنی اس وقت امارات میں تالے ڈال دیئے گئے، سعودی عرب میں مسجدیں بند ہیں، ملیشیا میں مسجدیں بند ہیں، ہمارے ملکوں میں مسجدیں بند کردی گئی ہیں، تو مسجدیں بند ہوگئی ہیں، اس طرح کی صورتِ حال عام صورتِ حال نہیں ہے، اس میں آپ دین کے اوپر غور کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب کسی عبادت کو اس کی مثالی صورت میں انجام دینا ممکن نہ رہے تو آپ عبادت ختم نہ کریں بلکہ کسی دوسری صورت میں چلے جائیں؛

خود قرآن مجید سے اس کی مثالیں دیکھئے: یعنی وضو میں تیمم پہ آپ چلے گئے، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِسی تیمم پر قیاس کرتے ہوئے جرابوں پر مسح کرنے کی اجازت دے دی ؛نماز میں نماز آپ قصر کرلیں کیا چیز ہے، آپا دھاپی افراتفری، خطرہ کی صورت پیدا ہوگئی، قصر کرلیں، اب ظاہر ہے کہ وہاں پر یہ نماز تو چار رکعت تھی دو کیسے ہوگئی، کردی نا اللہ تعالی نے، جمع کرلیں، نماز کے تو اوقات پانچ ہیں، اور نماز کے بارے میں کہا گیا ہے اِنَّ الصَّلَاۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتَابًا مَّوۡقُوۡتًا لیکن وہی اوقات تین میں تبدیل کرلیں جمع کرلیں ظہر اور عصر کو، مغرب اور عشاء کو، آگے بڑھئے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں، آپ کی موجودگی میں خطرے کی حالت میں نماز پڑھنی ہے، ذرا اس کا طریقہ ملاحظہ کیجئے جو قرآنِ مجید میں بیان کیا ہے، یعنی میں ایک سادہ سا سوال کرسکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اگر پیغمبر سے یہ کہتے کہ کوئی بات نہیں آپ اللہ کے پیغمبر ہیں خطرے کی حالت میں آپ چار رکعت پڑھ لیا کریں دو ایک لشکر کے حصہ کو پڑھا دیں، دو ایک کو؛ یہ کتنا سادہ حل لگتا ہے، نہیں کہا؛ یہ کہا آپ بھی دو ہی پڑھیں گے یعنی جو رعایت باقیوں کو دی گئی ہے چونکہ خطرے کی صورتِ حال ہے آپ کو بھی ملنی چاہیے؛ لیکن آپ کی موجودگی میں چوں کہ کسی اور امام کے پیچھے لوگ نماز پڑھنا پسند نہیں کریں گے تو آپ ذرا نماز کی ہیئت دیکھیں کیا بنادی اللہ تعالی نے ؛یعنی ایک گروہ نماز پڑھے گا، ایک رکعت پڑھ کے پیچھے ہٹ جائے گا چلے گا نا اس کے نتیجے میں؛ دوسرا وہاں آئے گا یہ جو پیچھے ہٹ گیا ہے اس دوران میں اسلحہ سنبھال لے گا، اپنی دوسری رکعت کو بعد میں پورا کرے گا ذرا ملاحظہ فرمایئے؛ یعنی آپ کی جو فقاہت مآب لوگ جو باتیں کررہے ہیں، ذرا اس کو دیکھئے کہ کیا حیثیت ہے اس کی، تو میں نے جو گزارش کی ہے وہ یہ گزارش کی ہے۔

اچھا پھر یہیں نہیں رُکے اللہ تعالیٰ، آپ پھر سورہ بقرہ میں چلے جایئے، وہاں کیا کہا کہ

خطرے کی اگرایسی صورتحال پیدا ہوگئی ہے کہ نہ آپ جماعت کرا سکتے ہیں نہ نیچے اتر سکتے ہیں نہ کھڑے ہو سکتے ہیں، تو فرجالاً اَور کبانًا پیدل چلتے ہوئے پڑھ لیں، سواری پر بیٹھے ہوئے پڑھ لیں، اب مجھے بتائیں سواری پر بیٹھے ہوئے اب میں سوالات کرنا شروع کروں جو آپ کر رہے ہیں مجھ سے یعنی سجدہ فرض تھا؛ ہوا؟ آپ کی فقہ میں فرض تھا نا ! رکوع فرض تھا؛ ہوا؟ قیام تھا سواری پہ بیٹھے ہوئے قیام فرمائیں گے؟ اونٹ پر کھڑے ہوجائیں گے؟ سوچئے ذرا یہ کیا بات ہے، قبلہ کی تعیین کیا ہوگی خود رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ جب سواری پر نماز پڑھتے تھے تو ایک مرتبہ قبلہ رخ ہو کر نماز شروع کر لیتے تھے اس کے بعد جدھر بھی سواری جا رہی ہے، اس سے سبق دیا گیا ہمیں کہ عبادت کو یعنی عبادات جتنی ہیں؛

روزے کو دیکھ لیں اب میں سوال کروں اس معاملے میں کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ کہا کہ دوسرے دنوں میں روزے پورے کرلیں؛ رمضان کہاں گیا اس کی برکتیں کہاں گئیں؟ اللہ کے قرآن کے نزول کا مہینہ کدھر گیا؟ اچھا مزید دیکھئے اگر آپ اس کے بعد بھی رکھنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں تو کیا کریں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں؛ ایک مسکین کو کھانا کھلانے سے بھوکے آپ کیسے رہیں گے، بیوی سے کیسے اجتناب کریں گے، ذرا اپنی فقاہت مآبی کا مطالعہ کیجئے اطمینان کے ساتھ؛ کیا کریں گے آپ تو اس طریقہ سے جس وقت آپ کے اوپر اب یہ افتاد آ پڑی ہے ایک بلائے بے درماں ہے، جس طرح کی صورت بن گئی ہے اور میں آپ سے عرض کروں کہ زیادہ دن نہیں گزریں گے جب لوگوں کو اس کی اہمیت کا احساس ہوگا جو بات میں نے کہی ہے اور وہ باقی معاملات میں بھی اسی اصول پر غور کرنا شروع کر دیں گے کہ اللہ نے ایک بڑی نعمت پیدا کی ہے؛

آپ کسی ایک مقام سے لوگوں کو خطاب کر سکتے ہیں خطبہ دینا شروع کر دیا ہے نا بہت سے علماء نے، اعلان کر دیا ہے کہ ”ہم اپنی مسجد سے خطبہ دیں گے آپ اپنے گھر میں نماز پڑھ

لیں" تو اس میں کم سے کم کیا چیز حاصل ہوگی وہ یہ کہ میرا یہ احساس کہ میں پوری امت کے ساتھ یا اپنی پوری کمیونٹی کے ساتھ یا اپنی مسجد کے سارے نمازیوں کے ساتھ اس مجبوری کی حالت میں گھر سے شریک ہو گیا ہوں؛ ایک ہے عملاً جمع ہونا بہت سے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ وعظ کی حقیقت تو اجتماعیت ہے؛ بھائی وہ اجتماعیت نہیں حاصل ہو رہی ہے نا اس وقت، نہیں حاصل ہو رہی ہے تو کم سے کم اس کا احساس تو حاصل ہو جائے گا، میری طرف سے ایک نفسیاتی چیز کہ ٹھیک ہے جی میں سب کے ساتھ شریک ہوں، آپ ذرا کر کے دیکھئے پھر آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اس سے کتنی بڑی نعمت حاصل ہوتی ہے؛

تو اس وجہ سے جتنے سوالات کیے گئے ہیں یہ اس سے متعلق نہیں ہیں، پہلی بات تو یہ کہ جس وقت ایک جگہ نماز پڑھی جائے گی تو سب قبلہ رخ ہوں گے، اس لیے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کون آگے ہے کون پیچھے ہر ایک اپنی جگہ پر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے، آپ بیت الحرام میں کیا کرتے ہیں یعنی امام ایک جانب کھڑا ہوتا ہے اور آپ چاروں طرف نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں ذرا غور فرمائیے! اچھا یہ جو مثالیں دیں یہ ساری کی ساری تو عام زندگی میں بارہا مجھے پیش آئی ہیں؛ یعنی بڑے مجمع میں نماز پڑھتے ہوئے بجلی چلی گئی لاؤڈ اسپیکر کی آواز ہی نہیں آرہی، اچھا آگے پیچھے دیکھ رہے ہیں، ایک مرتبہ یہ ہوا کہ تراویح کی نماز پڑھتے ہوئے رات میں بجلی چلی گئی، وہاں بندہ بھی کوئی نظر نہیں آرہا تھا، تاریک شب میں، وہاں کیا کیا جائے ظاہر ہے ایسے تمام مواقع میں آپ کیا کرتے ہیں جو صورت میسر ہوتی ہے یعنی اگر آواز نہیں آرہی ہے تو آگے کے لوگوں کو دیکھ لیتے ہیں اچھا وہ بھی نہیں ہو رہا ہے تو آپ اپنی نماز مکمل کر کے سلام پھیر دیں، یہ بات ہے جو کہی گئی ہے؛ ذرا اطمینان سے جب لوگ غور کریں گے تو ان کی سمجھ میں آجائے گی اب بہت سے لوگ خود بیان کر رہے ہیں جی ہمیں فلاں موقع پر یہ مسئلہ

پیش آ گیا ہم نے یہی کیا تھا اور میں تو ایسے دسیوں گھرانوں کو جانتا ہوں جن کی خواتین کئی برسوں سے میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ حرم کی تراویح کے ساتھ وہ گھر میں تراویح پڑھ رہی ہوتی ہیں بہت سی خواتین؛

حج وعمرہ کے معاملہ میں یہ فقاہت نہ فرمائیں، ان کا تعلق اصل میں ایک خاص جگہ سے ہے یعنی نماز آپ گھر میں پڑھ سکتے ہیں اجازت دی گئی ہے اس کی، اگر نماز کے بارے میں بھی یہ طے کر دیا ہوتا اللہ کے پیغمبر کی طرف سے کہ وہ صرف معبد یا مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے تو پھر یہ اجازت آگے بڑھتی ہی نا؛ وہاں چوں کہ یہ گنجائش موجود ہے؛ تو حج وعمرہ میں بھی آپ دیکھیں ہم خطبہ تو سن لیتے ہیں یعنی آپ نے دیکھا کہ جو خطبات ہوتے ہیں مسجدِ نمرہ سے جو خطبہ ہوتا ہے ساری دنیا میں لوگ سنتے ہیں تو اللہ نے اگر یہ سہولت بنائی ہے تو چلئے ایک نوعیت کی شرکت ہو جاتی ہے اس میں بھی، آپ نے خطبہ سن لیا، آپ نے دیکھ لیا اس سارے معاملے کو، قرآن مجید کو جب آپ پڑھیں گے تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ عبادات کے معاملے میں اصول کیا ہے کہ ”اگر آپ اچھی اور مثالی صورت میں تحمل نہیں کر سکتے تو آپ دوسری صورت کی طرف چلے جائیں“ یہ اس اصول پر بات کہی میں نے (خطابی انداز میں جاوید احمد غامدی کی بات من وعن پوری ہوئی)۔

جاوید احمد غامدی کے بیان کا جوابی بیانیہ

(ا) جاوید احمد غامدی جس لب و لہجے میں اظہار خیال یا رائے زنی کرتے ہیں اس سے ایک خالی الذہن انسان کو بھی یوں لگتا ہے گویا موصوف بذات خود شارع اور قانون ساز ہیں ،جبکہ علی الاطلاق شریعت اور قانون سازی کا اختیار صرف اللہ کو ہے یا اس کی اجازت سے اس کے رسول کو۔

ارشادِ خداوندی ہے: شرع لکم من الدین (سورۃ الشوریٰ: ۱۳)

اللہ نے تمہارے لئے دین کو مشروع فرمایا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا (سورۃ الحشر:۷)

رسول تمہیں جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

جاوید احمد غامدی کے اس مختصر سے بیان میں بھی کم از کم دو تین جگہ ان کی یہ قابلیت صاف جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔

(الف) آں موصوف نے اول تو قرآن وحدیث سے تلاش کر کے ایسے چند احکام کو پیش کیا جو ان کی نظر میں شاید خلافِ عقل ہیں، پھر ان کو بنیاد بنا کر ایسے احکام جاری کرنے کا اپنا استحقاق بھی ظاہر فرمایا۔

(ب) آں جناب نے اپنی عقل سے یہ ہدایت بھی جاری فرمائی کہ کن مسائل میں فقاہت مآبی کا مظاہرہ کیا جا سکتا ہے اور کن میں نہیں، بالفاظِ دیگر تلک حدود اللہ کی طرح ہر ایک کے حدود و قیود بھی مقرر فرما دیئے۔

(ج) آں جناب نے تشریعی زبان میں یہ قاعدہ کلیہ طئے فرما دیا کہ جب کسی

عبادت کواس کی مثالی صورت میں انجام دینا ممکن نہ رہے تو آپ عبادت ختم نہ کریں بلکہ کسی دوسری صورت میں چلے جائیں!

اوراس دوسری صورت کا تعین آں جناب کی زبانِ حق ترجمان کرے گی! ہماری دانست کے مطابق شریعت کی نظر میں نکاح بھی عبادت ہے، بہت سارے لوگوں کو یہ عبادت چند در چند عوارض کی وجہ سے اس کی مثالی صورت میں انجام دینا ممکن نہیں رہتا، انتظار رہے گا کہ آں محترم شرعی متبادل کو چھوڑ کر اپنی جانب سے اس کی دوسری معقول صورت کیا تجویز فرماتے ہیں ،عذر و عدم قدرت کی صورت میں شریعت نے بعض عبادتیں بالکلیہ ساقط رکھی ہیں، جیسے غریب آدمی پر زکوۃ، حج اور قربانی نہیں کیا یہاں بھی آپ کوئی دوسری صورت ایجاد فرمائیں گے!

(۲) جاوید احمد غامدی قرآن پاک کے ایک حکم کو دوسرے حکم سے ٹکرا کر اپنے باطل نظریات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور قرآن پاک جیسی اختلاف وتناقض سے محفوظ کتاب کو اپنا تختۂ اجتہاد بناتے ہیں؛

اس بیان میں بھی انہوں نے یہ حرکت کی ہے وضواور تیّمم کے حکم کو آپس میں ٹکرایا، نماز میں قصر واتمام کے حکم کو آپس میں ٹکرایا، اسی طرح روزے اور فدیہ کے حکم کو ٹکرایا؛

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرزِ بحث کی سخت الفاظ میں مذمت فرمائی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ فرماتے ہیں: کہ ایک دفعہ بڑے بزرگ صحابہ کرام حجرہ مبارک کے قریب بیٹھ کر تقدیر کے مسئلہ میں مباحثہ کر رہے تھے، کوئی کسی آیت کو پیش کرتا تو اس کے جواب میں کوئی کسی اور آیت کو پیش کرتا؛ فقال بعضھم ألم یقل اللہ کذا کذا؟ فقال بعضھم ألم یقل اللہ کذا کذا؟ اسی اثناء میں ان کی آوازیں بھی بلند ہوگئیں، بس پھر کیا تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراضگی اور برہمی کی حالت میں تشریف لائے اور فرمایا: کیا تم

کو یہی حکم، یہی تعلیم ملی ہے کہ اللہ کی کتاب کے ایک حصے کو دوسرے حصے پر مارو!! میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ اس بارے میں جھگڑا نہ کرو، قرآن اس لیے نہیں نازل ہوا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تکذیب کرے بلکہ قرآن کا ایک حصہ تو دوسرے حصے کی تصدیق کرتا ہے، لہذا اب تم اس کے ایک حصے کے ذریعے دوسرے حصے کو نہ جھٹلاؤ، یہ دیکھو کہ جس کا تم کو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو اور جس سے تم کو منع کیا گیا ہے رک جاؤ۔

(سنن ابن ماجہ: ۸۵ مسند احمد: ٦٦٦٨)

امام طبریؒ اپنی تفسیر میں حضرت ابوامامہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ قرآن کے معاملہ میں بحث و جھگڑا کر رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا: **لا تضربوا کتاب اللہ بعضهم ببعض فانه ما ضل قوم قط الااوتوا الجدل**، کتاب اللہ کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے نہ ٹکراؤ کیونکہ یہ تاریخ اور روایت رہی ہے کہ جب کبھی کوئی قوم گمراہ ہوئی ہے تو وہ بحث وجدال میں پڑگئی۔(تفسیر الطبری: ۸۸/ ۲۵-۲۹)

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں:

قرآن کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے نہ ٹکراؤ اس سے خوامخواہ دلوں میں شک پیدا ہوجاتا ہے (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۱٦۸)

(۳) جاوید احمد غامدی نے اپنے اس مختصر سے ویڈیو میں مسجد کے لئے کم از کم تین دفعہ ”معبد“ کا لفظ زبان سے نکالا ہے پتہ نہیں یہ کس تہذیب کا اثر اور نتیجہ ہے، اہلِ اسلام کے یہاں تو مسجد کی اصطلاح رائج ہے، یہی قرآن وحدیث میں بھی مستعمل ہے، موصوف کو اردو زبان پر جو دسترس حاصل ہے، شاید یہ اس کا مظاہرہ ہے، گزارش یہ ہے کہ یہاں کم از کم ایسا نہ کریں

کیونکہ خود آں جناب کے اصول کا تقاضہ ہے کہ مثالی صورت پر عمل کرنا جب تک ممکن ہو دوسری صورت میں نہ جانا چاہیے۔

(۴) **جاوید احمد غامدی** کی خبر اور رپورٹنگ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امارات، سعودی عرب، ملیشیا اور مغربی مما لک میں مساجد پر تالوں کا لگنا ایک خوش آئند وخوش کن اقدام ہے اور جہاں یہ کام نہیں ہوا وہاں کے باشندے شاید احمقوں کے جہاں میں بستے ہیں؛

یہاں یہ واضح رہے کہ ہم بھی اس کے حق میں نہیں ہیں کہ ان حالات میں بھی مساجد کا نظام حسبِ معمول چلایا جاتا رہے یا نمازیوں کی بھاری تعداد کی آمد ورفت حسبِ سابق جاری رہے ایسا کرنا تو اطباء کے بقول انسانیت کو خطرے میں ڈالنا ہے، ہم کو شکایت **جاوید احمد غامدی** کے ایمانی حمیت سے عاری لب و لہجے سے ہے، ویسے موصوف کے نزدیک تو یہ بہت ہی معمولی قسم کے مسائل ہیں، آں جناب کی دانشمندانہ رگِ حمیت تو انکار ختمِ نبوت اور توہینِ رسالت جیسے سنگین معاملات پر بھی نہیں پھڑکتی۔

(۵) **جاوید احمد غامدی** نے سچ کہا کہ انہوں نے نماز باجماعت کا متبادل پیش نہیں کیا کیونکہ نماز باجماعت کا متبادل تو خود شریعت نے پیش کر دیا ہے کہ ایک اور نئی جماعت کر لی جائے یا عذر ہو تو تنہا نماز ادا کر لی جائے، عذر ہونے کی صورت میں شریعت نے مکمل اجر دینے کا وعدہ بھی کیا ہے، الگ سے بندے کو جتن یا کسی اختراع کی ضرورت نہیں؛ حضرت ابو موسی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بار ہا یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی بندہ عمل صالح کا عادی ہو پھر بیماری یا سفر کی وجہ سے اس کو انجام نہ دے سکتا ہو تو اس کو تندرست اور مقیم ہونے کی حالت میں جو اجر وثواب ملتا تھا وہی اب بھی ملا کرے گا، **اذا کان العبد یعمل عملا صالحا فشغله عنه مرض او سفر کتب له کصالح ما کان**

یعمل وھو صحیح مقیم(ابوداؤد، حدیث صحیح، کتاب الجنائز:۳۰۹)

غزوۂ تبوک بڑی تنگدستی کے زمانہ میں پیش آنے والا غزوہ ہے، صحابہ کرامؓ کی ایک قابل لحاظ تعداد عذرو مجبوری کی وجہ سے اس میں شریک نہ ہوسکی، ان کے دل ٹوٹے ہوئے تھے اللہ کے رسول ﷺ جب غزوہ تبوک سے واپس ہوکر مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو یہ بات ارشاد فرمائی کہ مدینے میں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو قدم قدم پر تمہارے ساتھ اجر وثواب میں شریک ہیں!! صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مدینہ میں رہتے ہوئے؟ اللہ کے رسول نے فرمایا: کہ ہاں! مدینے میں رہتے ہوئے کیونکہ عذر نے ان کو روک لیا تھا (بخاری شریف: ۴۴۲۳)

(٦) جاوید احمد غامدی نے اپنے اس بیان کے ذریعہ درحقیقت مسجد کی اصل جماعت کے اقتداء کی من گھڑت شکل پیش کی ہے، جبکہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے حالات اور واقعات اس شکل کو باطل بتاتے ہیں۔

(الف) جاوید احمد غامدی نے صلاۃ الخوف کا یہ طریقہ خود بتایا کہ ایک گروہ ایک رکعت پڑھ کر پیچھے ہٹ جائے گا دوسرا گروہ وہاں آئے گا اور اس دوران پہلا گروہ اسلحہ سنبھالے گا اور اور اپنی دوسری رکعت کو بعد میں پورا کرے گا، یہ بھی بتایا کہ خوف زیادہ ہوجائے تو پیدل پیدل اور سواری کی حالت میں نماز پڑھ لی جائے؛

اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن نے اس انتہائی نازک اور ضرورت کے موقع پر بھی اس من گھڑت شکل کو کیوں نہیں بیان کیا جو **جاوید احمد غامدی** نے پیش کی ہے **جاوید احمد غامدی** کے اصول کے مطابق یہاں نماز کی یہ صورت ہونی چاہیے تھی کہ ایک گروہ شروع سے آخر تک رسالت مآب ﷺ کے ساتھ پیچھے رہتا اور دوسرا گروہ شروع سے اخیر تک اپنی

جگہ رہتے ہوئے دیکھ دیکھ کر اقتداء کر لیتا؛ یہ صورت جنگی سیاست کے عین مطابق بھی تھی کیونکہ اگر دورانِ نماز جنگ کرنے کو جائز مانا جاتا ہے تو یہ گروہ اپنی جگہ پر رہتے ہوئے بحسن و خوبی یہ کام بھی انجام دے لیتا اور اگر یہ مانا جاتا ہے کہ دورانِ نماز جنگ کرنے اور ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں تو پھر اِس صورت کے بجائے بظاہر فائدے سے خالی اُس صورت کا کیوں حکم دیا گیا کہ ایک گروہ ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے مقابلے میں آجائے اور خاموش تماشائی بن کر کھڑا رہے پھر دوسری رکعت بعد میں جا کر پوری کرے؛

جب اللہ تبارک وتعالی نے صلاۃ الخوف میں اس ضرورت و مصلحت کے باوجود جاوید احمد غامدی کی پیش کردہ من گھڑت صورت کے موافق کوئی صورت نہیں رکھی تو اس سے یہ یقین بھی ہو گیا کہ اس جیسی صورت کی شریعت میں کوئی گنجائش بھی نہیں ہے اور جب کبھی جماعت کرنا ہو تو وارکعوا مع الراکعین کے حکم پر عمل کرنا ہوگا۔

(ب) مرض الوفات میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی جگہ مقرر فرمایا تھا، حضرت صدیق اکبرؓ نے آپ علیہ السلام کی حیات میں تقریباً سترہ نمازوں کی مسجد نبوی میں امامت فرمائی تھی ،ان ایام میں نبی ﷺ اپنے حجرۂ مبارکہ ہی میں نماز ادا فرماتے تھے (شمائلِ کبریٰ:۲۱۰/۷) غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہاں پر یہ صورت بھی ممکن تھی کہ آپ علیہ السلام حجرہ ہی سے امامت فرما لیتے اور لوگ حجرہ کے آگے پیچھے امام سے سبقت وعدمِ سبقت کا لحاظ کیے بغیر محض قبلہ رخ ہو کر اقتداء کر لیتے؛ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت کو اختیار نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ اقتداء کی یہ صورت باطل ہے، بلکہ ایک دفعہ نماز ظہر کو جب بیماری کی شدت میں کچھ کمی محسوس ہوئی تو آپ علیہ السلام حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہارے باقاعدہ چل کر مسجد تشریف لائے اور

حضرت صدیق اکبرؓ کے بازو میں بیٹھ گئے اور امامت فرمائی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ:۷۱۲۹ - بخاری:٦٦٤)

اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک دفعہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے حجرے میں بھی امامت فرمائی مگر اس طریقہ پر نہیں جو جناب غامدی پیش کرتے ہیں، بلکہ اس طریقہ پر کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت اس موقع پر آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئی تھی اور وہیں جماعت بھی کر لی گئی تھی۔ (سنن ابوداؤد: باب الامام یصلی من قعود: ٦٠٢)

(ج) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک نابینا آدمی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے کوئی مسجد لانے والا میسر نہیں ہے تو کیا میں گھر ہی میں نماز پڑھ سکتا ہوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت تو دے دی مگر جب وہ واپس ہونے لگے تو آپ علیہ السلام نے ان کو بلا کر پوچھا کیا تم کو اذان کی آواز سنائی دیتی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ علیہ السلام نے فرمایا: پھر تو مسجد آنا پڑے گا (مسلم: ٦٥٣) اگر غامدی کی پیش کردہ صورت کی کسی حد تک بھی گنجائش ہوتی تو ضرور ایسے حضرات کے لیے نکالی جاتی!

أتی ابن ام مکتوم النبي صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ! منزلي شاسع وانا مکفوف البصر وانا اسمع الاذان قال فان سمعت الاذان فاجب و لو حبوًا او زحفا۔ (مسند احمد: ۱۴۹۴۸)

حضرت عتبان بن مالک بدری انصاری صحابی ہیں اپنی قوم میں امامت کیا کرتے تھے، مگر اب بصارت کافی کمزور ہوگئی تھی، خاص طور پر بارشوں کے زمانے میں مسجد پہنچ کر امامت کرنا دشوار تھا، انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ایک دفعہ

اس موقع سے گھر تشریف لائیں اور گھر کے کسی کونے میں نماز ادا فرمائیں تا کہ میں اس کو اپنی نماز گاہ بنا لوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس خواہش کی تکمیل فرمائی تھی۔(مسلم: ۲۶۳ باب الرخصۃ فی التخلف عن الجماعۃ بعذر) یہاں پر بھی اللہ کے رسول صلی علیہ وسلم نے غامدی والی کسی شکل کی رہنمائی نہیں فرمائی حالاں کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ باضابطہ اپنی قوم کے امام بھی تھے اور ان کو شرعی عذر بھی تھا، معلوم ہوا کہ غامدی کی پیش کردہ شکل کی شریعت میں دور دور تک گنجائش نہیں ہے۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ جماعت کی نماز میں ایسے وقت پر پہنچے کہ آپ علیہ السلام رکوع کی حالت میں تھے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ جماعت میں شامل ہوئے بغیر اپنی جگہ سے رکوع کر لیے، اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ علیہ السلام نے ان کو دعا دیتے ہوئے یہ بھی ہدایت کردی کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔(بخاری: ۷۸۳۰) اگر غامدی کی پیش کردہ شکل کی کچھ گنجائش ہوتی تو کم ازکم حدودِ مسجد ہی کے اندر تو اس کی گنجائش مل ہی جاتی مگر چونکہ اس کی گنجائش نہ تھی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آئندہ کے لئے منع بھی فرما دیا۔

خاص طور پر شدید بارش کے موقع پر زمانہ رسالت میں بھی اور بعد کے ادوار میں بھی اذان کے ساتھ یہ اعلان بھی کر دیا جاتا کہ أَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ لوگو! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔(بخاری: ٦٦٨) کہیں کسی وقت بھی یہ اعلان نہیں ہوا کہ لوگو! گھروں ہی سے اقتداء کرلو مسجد میں صرف امام نماز پڑھائے گا، اگر جاوید احمد غامدی کی پیش کردہ شکل ایک فیصد بھی درست ہوتی تو کم سے کم ایک آدھ دفعہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ سے منقول ہوتی!

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: زمانہ رسالت میں صورتحال یہ تھی کہ کوئی بیمار

آدمی دو آدمیوں کے سہارے چل کر جماعت میں شریک ہوسکتا تھا تو وہ بھی اس تکلیف کے ساتھ آکر شریک ہوتا تھا۔(مسلم:٦٥٧) اگر غامدی کی پیش کردہ شکل درست ہوتی تو ان جیسے بیماروں پر ضرور رحم کیا جاتا! پتہ چلا کہ غامدی کی پیش کردہ صورت مکمل باطل و بے بنیاد ہے۔

(٧) **جاوید احمد غامدی** نے اول ایک اصول اور قاعدہ تصنیف کیا پھر اس پر اپنی مجتہدانہ شان کے ذریعہ تفریعات در تفریعات کرنا شروع کردی، جو اصول انہوں نے وضع کیا ہے اس کی تو ایک حد تک توجیہ ہوسکتی ہے، مگر اس کو بنیاد بنا کر اپنی طرف سے جو بچکانہ تفریعات کی ہیں اس سے خدا کی پناہ!!!

کل کو کوئی ان کی رَوِش پر چل کر چکّی کے سارے پاٹ اُلٹ سکتا ہے اور تمام مہماتِ دین کو معطل کرسکتا ہے، اگر کوئی بد دماغ آدمی آن لائن حج وعمرہ کا تصور پیش کرے تو آخر اختصاص کی کونسی ایسی عقلی یا نقلی دلیل ہے جس کی بنیاد پر ہم آن لائن باجماعت نماز کو تو درست رکھیں اور آن لائن حج وعمرہ کو غیرِ آئینی اور غیرِ شرعی قرار دے دیں، کیا **جاوید احمد غامدی** کی زبان خدا اور رسول کی زبان ہے کہ اُن کے اتنا کہہ دینے سے کہ "حج وعمرہ کے معاملہ میں یہ فقاہت نہ فرمائیں ان کا تعلق اصل میں خاص جگہ سے ہے" کوئی حج وعمرہ کے معاملہ کو لازماً خاص تسلیم کرلے اور نماز کے معاملہ میں ان کے قول پر ایمان رکھے!! **جاوید احمد غامدی** خود اپنے لیکچرز کو ٹٹولیں، انہوں نے کتنے ہی ایسے عقائد و مسائل کو جو اختصاص کے طاقتور دلائل اپنی پشت پر رکھتے تھے بیک جنبشِ لب ان کی خصوصی حیثیت کو ختم کردیا ہے، **جاوید احمد غامدی** کی اجتہادی شان پر مجھ کو ایک لطیفہ یاد آرہا ہے کہ میاں بیوی کا ایک نزاع ہمارے سامنے پیش ہوا تھا، بیوی کی ایک شکایت یہ بھی تھی کہ اس کا شوہر عریاں فلمیں بھی دیکھتا ہے

،شوہر کے والد اس مجلس میں موجود تھے جھٹ سے انہوں نے کہا کہ اس میں کیا خرابی ہے میں بخاری مسلم کا مطالعہ کرتا ہوں اس میں بھی میاں بیوی کے باہمی تعلقات کے بارے میں احادیث موجود ہیں، یہ عریاں فلمیں اس زمانے کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں (نعوذ باللہ)۔

(۸) قیاس کے لیے کوئی نہ کوئی مقیس علیہ جزئی بھی ہونی چاہیے جیسا کہ خود جاوید احمد غامدی نے کہا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیمم پر قیاس کر کے جرابوں پر مسح کی اجازت دی ہے یہ تو غامدی ہی کو معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جرابوں کے مسح کو فی الواقع تیمم پر قیاس فرمایا تھا یا نہیں؟ تاہم غامدی کے خود اپنے بیان سے بھی ثابت ہوا کہ قیاس کے لئے کوئی نہ کوئی مقیس علیہ ہو، اس لحاظ سے یہاں مقیس علیہ کوئی ایسی جزئی ہونی چاہیے تھی جس میں نماز تو مسجد میں پڑھائی جا رہی ہو اور لوگ میلوں یا میٹروں دور سے اس مسجد کے امام کی اقتدا کر رہے ہوں، اس کے بجائے جناب غامدی نے اِدھر اُدھر کی چیزیں جوڑ کر اپنی زور بیانی سے ان کو سننے والوں کی قوتِ سامعہ کی خوب خوب ضیافت فرمائی، اس صورتحال پر بے اختیار یہ مثل صادق آتی معلوم ہوتی ہے:

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا　　　　بھان متی نے کنبہ جوڑا

(۹) جاوید احمد غامدی تیمم، فدیہ صوم، اور قصر و اتمام کے قرآنی احکام کو سنا کر کے بار بار فقاہت مآبی پر اکسا رہے تھے، حیرت ہے ایسا آدمی جس کو دنیا ایک دانشور اور ایک اعلیٰ اسکالر کہتی ہے، اس نے فقہ و قیاس کے مسلمہ اصول کو کس بے نیازی سے نظر انداز کر ڈالا۔

جناب غامدی سنیں! قیاس کا مظاہرہ منصوص مسائل واحکام میں نہیں کیا جاتا غیر منصوص مسائل میں فقہ و قیاس کو دخل ہوتا ہے، وہ بھی قاعدے قانون کے ساتھ، آپ کی بے لگام فقاہت مآبی کی طرح نہیں؛ منصوص مسائل میں قیاس وعقل سے معارضہ کرنا تو ابلیس

علیہ اللعنہ کی سنت ہے، اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکمِ خداوندی کے آگے اپنی فقاہت مآبی کا مظاہرہ کیا تھا کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر میں کیوں اس کو سجدہ کروں؟ اس فقاہت مآبی کے نتیجے میں وہ مردود اور راندۂ درگاہ ہو گیا اور اس سے یہ محاورہ بھی وابستہ ہو گیا کہ اول من قاس ابلیس (سنن دارمي: ۱۹۵) اول جس بد بخت نے حکمِ الٰہی کے مقابلہ میں قیاس کیا وہ ابلیس علیہ اللعنہ ہے۔

(۱۰) **جاوید احمد غامدی** نے آن لائن باجماعت نماز کے مشروع ہونے پر احساس اور نفسیات کو بھی بنیاد بنایا ہے آں محترم کے وقیع اور جذباتی جملے یہ ہیں"اس میں کم سے کم کیا چیز حاصل ہوگی وہ یہ کہ میرا یہ احساس کہ میں پوری امت کے ساتھ یا اپنی پوری کمیونٹی کے ساتھ یا اپنی مسجد کے سارے نمازیوں کے ساتھ اس مجبوری کی حالت میں گھر سے شریک ہو گیا ہوں میری طرف سے ایک نفسیاتی چیز کہ ٹھیک ہے جی میں سب کے ساتھ شریک ہوں آپ ذرا کر کے دیکھیے پھر آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس سے کتنی بڑی نعمت حاصل ہوتی ہے"

جاوید احمد غامدی کے افکار و نظریات اور ان کی اب تک کی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے اپنے اس بیان میں"احساس اور نفسیات" جیسے الفاظ سے روحانی سکون مراد لیا ہوگا جس کا تذکرہ صوفیاء کرام کی تعلیمات میں ملتا ہے، کیونکہ صوفیاء کرام تو عشق و جنوں کی راہ و رسم کے دیوانے ہوتے ہیں اور **جاوید احمد غامدی** جیسے حضرات عقل و ہوش کی راہ کے فرزانے؛

مولائے روم کی زبان میں:

ہر علم کہ در مدرسہ حاصل کردیم　　　کارے دگر است وعشق کارے دگر است

اس لیے قرینِ قیاس یہی ہے کہ آں جناب موصوف نے احساس اور نفسیات کا تکلّم

معروف علم نفسیات(Psychology) کی اصطلاحات(Terms) کے لحاظ سے فرمایا ہے، ایسے علم النفسیات اور ایسے احساس کا کوئی دائرہ ومکاں نہیں ہوتا، یہ عروج پر آئے تو مذہب کو بھی خیالی چیز اور وحیٔ خداوندی کو بھی دماغی خلل کا اثر بتادے، جنت وجہنم اور جزاوسزا کو بھی طفلانہ تسلیاں اور دھمکیاں قرار دے دے اور جب اپنے زوال کی طرف آتا ہے تو سائے سے بھی ڈرا دے،کل کو کوئی نفسیاتی مریض اس احساس اور نفسیات کو بنیاد بنا کر فقیر آدمی میں قربانی کا احساس پیدا کرنے کے لئے عید الاضحیٰ کے موقع پر کبوتر اور چڑیا بلکہ چوہیا کی بھی قربانی کرنے کا فتویٰ دینے لگے خاص کر چین جیسے ممالک میں تو آخر اس کے فتوے کو باطل ٹھہرانے کی کیا دلیل تلاش کی جائے گی؟

(۱۱) **جاوید احمد غامدی** نے ارشاد فرمایا کہ” وضو کرنے میں تو بڑا نشاط حاصل ہوتا ہے باقاعدہ پاکیزگی بھی حاصل ہوتی ہے یہ تو الٹی بات ہوئی کہ آپ نے مٹی مل لی“

جاوید احمد غامدی کی اس الٹ پھیر سے ایک عامی کو یہ علم ملتا ہے کہ وضو کے ذریعہ پاکیزگی اور نشاط کا موقع ہونے کے باوجود تیمم کا حکم دیا گیا ہے؛

جناب غامدی! خلقِ خدا پر کچھ تو ترس کھائیے، اپنے خانہ زاد دین کی تبلیغ اور اپنی خود ساختہ شریعت کی تشریح میں اتنے بھی آگے نہ جائیے کہ منبعِ وحی اور مرکزِ ہدایت ہی سے ان کو بدظن وبرگشتہ کرڈالیں؛

جناب والا! وضو کرنے سے بے شک نشاط وتازگی حاصل ہوتی ہے مگر ایسے انسان کو جو صحتمند ہو یا پانی پر جس کو قدرت ہو جو آدمی بیمار ہو اس کو پانی کے استعمال سے نشاط کیا، اذیت و تکلیف ہوتی ہے اور جس کو پانی میسر نہیں وہ چاہ کر بھی پانی سے نشاط حاصل نہیں کرسکتا تو تیمم کا حکم وہاں ہے جہاں وضو کے ذریعہ نشاط اور تازگی حاصل کرنے کا موقع اور قدرت نہ ہو اور جہاں

موقع یا قدرت ہے وہاں تیمم اور مٹی ملنے کی اجازت بھی نہیں؛ باقی پاکیزگی تو جیسے وضو سے حاصل ہوتی ہے پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے بھی اسی درجے کی حاصل ہوجاتی ہے

بقول کسے: مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

(۱۲) جاوید احمد غامدی نے آن لائن نماز با جماعت کی تائید میں یہ دلیل بھی پیش فرمائی کہ" میں تو ایسے دسیوں گھرانوں کو جانتا ہوں جن کی خواتین کئی برسوں سے میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ حرم کی تراویح کے ساتھ وہ گھر میں تراویح پڑھ رہی ہوتی ہیں بہت سی خواتین" یہ دلیل اس قدر لچر قسم کی ہے کہ تعجب ہوتا ہے کہ عقلمندوں کا سربراہ کہلانے والا شخص بھی اتنی پستی کی بات کر سکتا ہے، اہلِ علم اب تک تو اس بارے میں بھی اختلاف رکھتے تھے کہ آیا تعاملِ اہلِ مدینہ حجت بھی ہے یا نہیں، امام مالکؒ اور فقہائے مالکیہ تعاملِ اہلِ مدینہ خاص کر قرونِ ثلاثہ والے تعامل کو حجت اور سند تسلیم کرتے ہیں، جبکہ جمہور ائمہ وفقہاء اس کو حجت تسلیم نہیں کرتے۔ (الموسوعۃ الفقہیہ: ۳۰ / ۳۳۳)

جاوید احمد غامدی کی وسعتِ قلبی وذہنی پر آفرین کہ انہوں نے اس اخیر دور کے تعاملِ نساء کو بھی حجت قرار دے ڈالا، پاکستان میں ان دنوں آزاد خیال روشن دماغ خواتین کا یہ بے ہودہ نعرہ بھی پوری دنیا میں گونج رہا ہے کہ" میرا جسم میری مرضی"

عالی جناب جاوید احمد غامدی کیا ان عزت مآب خواتین کے عالمی شہرت یافتہ نعرے کو بنیاد بنا کر بھی کوئی نیا شرعی حکم صادر فرمائیں گے؛ اللہ کی پناہ ایسے اجتہاد اور ایسی فکری آوارگی سے اور سلف بیزاری سے!!

آن لائن نماز باجماعت کا شرعی حکم

آن لائن نماز باجماعت قرآن وحدیث کے اعتبار سے بھی درست نہیں اور قیاس و عقل کے میزان سے بھی صحیح نہیں؛ اس کی نظیر نہ زمانۂ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ملتی ہے نہ ہی دورِ صحابہؓ سے لے کر اب تک؛ آن لائن نماز باجماعت اسی طرح نادرست اور نامعقول ہے جس طرح عورت کا مردوں کی امامت کرنا، امکان اور موقع ہونے کے باوجود پوری اسلامی تاریخ میں اس کی نظیر موجود نہیں۔

آن لائن نماز باجماعت کے عدمِ جواز کے دلائل:

(۱) وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ۔

(سورۃ البقرہ: ۴۳)

نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے رکوع کرنے والوں کے ساتھ رہ کر رکوع کرنے کا حکم دیا ہے، معلوم ہوا کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جارہی ہو تو ساتھ رہنا ضروری ہے؛

(۲) وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓاْ أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُواْ فَلْيَكُونُواْ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّواْ فَلْيُصَلُّواْ مَعَكَ۔ (سورۃ النساء: ۱۰۲)

اور جب آپ خود ان میں ہوں پھر آپ ان کے لئے نماز قائم کریں تو ان میں ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو اور وہ اپنے ہتھیار بھی لئے رہیں جب یہ سجدہ کرلیں تو تمہارے پیچھے ہوجائیں اور دوسری جماعت جس نے نماز ادا نہیں کی ہے آجائے پھر وہ آپ

کے ساتھ نماز ادا کریں۔

خوف اور جنگ کی حالت میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے نماز با جماعت کا یہ طریقہ رکھا کہ ہر گروہ باری باری آ کر ساتھ شامل ہو؛ اپنے اپنے مورچہ پر رہتے ہوئے دیکھ دیکھ کر جماعت میں شریک ہونے کی شکل نہیں رکھی!

(۳) اللہ کے رسول ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں خاص طور پر دو مواقع ایسے پیش آئے تھے جن میں آپ علیہ السلام اپنے حجرۂ مبارکہ ہی میں نماز ادا فرماتے تھے ایک تو مرض الوفات کے زمانے میں اور دوسرے ۵ھ میں جب آپ علیہ السلام گھوڑے سے گر کر زخمی ہوئے تھے۔ (شرح سنن ابی داؤد لابن رسلان ۳/ ٦٧٨)

ان دونوں موقعوں میں سے کسی میں بھی نبی پاک ﷺ نے نماز با جماعت کی یہ صورت اختیار نہیں فرمائی کہ آپ علیہ السلام اندر سے امامت فرما رہے ہوں اور لوگ مسجدِ نبوی سے اقتداء کر رہے ہوں؛ اگر اس طرح کی صورت ثابت بھی ہوتی تب بھی یہ آن لائن نماز با جماعت کی نظیر نہیں بن سکتی تھی، جب یہی ثابت نہیں تو آن لائن نماز با جماعت کے جواز کو کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

(۴) نبی پاک ﷺ نماز با جماعت میں حاضری کی خوب تاکید فرماتے تھے، با قاعدہ لوگوں کی حاضری بھی لیا کرتے تھے اور غیر حاضر رہنے والوں پر سخت عتاب فرماتے تھے:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام مسجد میں جماعت کی شرکت کے لیے تاکید فرماتے خاص کر صبح اور عشاء میں زور دیتے۔ (کشف الغمۃ: ۱۲٦)

حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ ایک دن آپ علیہ السلام نے صبح کی نماز پڑھائی

اوراس کے بعد پوچھنے لگے: فلاں حاضر ہے؟ لوگوں نے جواب دیانہیں؛ پھر پوچھا: فلاں حاضر ہے؟ کہانہیں؛ پھرآپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ دونوں نمازیں-صبح اورعشاء- منافقین پر بہت بھاری اور بوجھ ہے۔(بیہقی: ۳/ ۱۶۸-شمائل کبریٰ: ۶/ ۲۷۵)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: منافقین پرعشاء اورفجر کی نماز بہت گراں ہے، میں یہ ارادہ کررہا ہوں کہ اپنے جوانوں کوحکم دوں کہ وہ لکڑیاں جمع کریں پھرکسی کونماز پڑھانے کھڑا کردوں پھر جوگھروں میں ہیں ان کوآگ لگا دوں۔(مسلم: ۶۵۱ - بخاری: ۶۴۴) اگراپنے گھروں میں رہتے ہوئے مسجد والی جماعت کی اقتداء کی کوئی صورت ہوتی تو نبی پاک ﷺ اتنا اہتمام اوراتنی سخت وعید نہ فرماتے۔

(۵) سخت بارش اور شدید سردی کی راتوں میں بعض اوقات نبی پاک ﷺ کے زمانے میں بھی اورصحابہ ؓ کے زمانے میں بھی اذان کے ساتھ یہ اعلانات کیے گئے کہ ألا!صلّوافی رحالکم/ألا! صلّوافی الرحال/صلّوا فی بیوتکم : آگاہ ہوجاؤ! گھروں ہی میں نماز پڑھ لو۔(مسلم شریف: ۶۹۷-۶۹۹) مگرکبھی کسی وقت یہ اعلان نہیں ہوا کہ اپنے گھروں ہی سے مسجد والی جماعت کی اقتداء کرلو یا کم ازکم جن کے گھرمسجد کے اطراف واکناف ہیں وہ اپنے گھروں سے اقتداء کرلیں اور باقی لوگ اپنے گھروں میں جماعت کرلیں یاتنہا پڑھ لیں۔

(۶) حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: مسجد کے پڑوس میں رہنے والے کی نماز مسجد کے علاوہ (گھر) میں نہیں ہوتی۔

(مستدرک حاکم: ۸۹۸-السنن الکبریٰ للبیہقی: ۴۹۴۵)

حضرت وابصہ بن معبد ؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک شخص کو

(جماعت سے کٹ کر) صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کو اپنی نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم فرمایا۔ (ترمذی: ۲۳۱ باب ماجاء فی الصلوٰۃ خلف الصّف وحدہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جماعت میں حاضر ہوئے بغیر اپنے گھر سے اقتداء کر لینا یا جماعت سے دور رہ کر اقتداء کر لینا شرعاً درست نہیں ہے۔

(۷) نماز باجماعت میں صفوں کی درستگی کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب اہتمام فرمایا کرتے تھے، اس طرح درست فرماتے جیسے تیر کو تراش کر برابر کیا جاتا ہے، حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام صفوں کے درمیان ایک کنارے سے دوسرے کنارے صفوں میں جا کر ہمارے سینوں کو برابر فرماتے اور کندھے سے کندھا ملاتے اور فرماتے صفوں کو ٹیڑھی مت کرو ورنہ تمہارے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے (ابو داؤد: ٦٦٤) اس سلسلہ کی دسیوں احادیث موجود ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز باجماعت کی ایک خاص ہیئت اور ایک مخصوص شکل ہے، اس کو پامال کر کے نماز باجماعت کی حقیقت کو پایا نہیں جا سکتا۔

(۸) نماز باجماعت میں اس کا بڑا لحاظ ہے کہ مقتدی اپنے امام سے سبقت نہ کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف الفاظ میں اس کی ممانعت فرمائی ہے؛ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھا کر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں تو تم مجھ سے آگے نہ بڑھو نہ رکوع کرنے میں، نہ سجدہ کرنے میں، نہ قیام کرنے میں اور نہ ہی سلام پھیرنے میں کیوں کہ میں تم کو اپنے سامنے اور اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں (مسلم: باب النہی من سبق الامام: ۴۲۶) اسی طرح مطلق نماز میں اوقاتِ نماز کی رعایت کرنا فرض ہے؛ نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے اس نماز کو پڑھنا معتبر نہیں ہے؛ آن لائن نماز باجماعت میں ایک طرف تو امام کا یہ حق پامال ہوتا ہے تو دوسری طرف

اوقاتِ صلاۃ کا بھی خون ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ آن لائن امام کی اقتدا کرنے والے بے شمار لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کے گھر اور شہر امام کے آگے کی سمت واقع ہوں گے اسی طرح ایک ہی ملک میں بہت سارے شہروں کے اوقاتِ صلاۃ میں فرق بھی پایا جاتا ہے، یہ عین ممکن ہے کہ آن لائن امام کے مقام پر نماز کا وقت شروع ہو چکا ہو اور اقتداء کرنے والے لوگوں کے مقام میں ابھی شروع نہ ہوا ہو، ظاہر ہے نماز جیسی اہم ترین عبادت کو اس طرح خطرے اور تباہی میں ڈالنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

(۹) جماعت کے معنیٰ مفہوم اور ماہیت میں اجتماعیت اور اکھٹا ہونا داخل ہے، یہی اس کی روح اور حقیقت بھی ہے ،اگر اس کو جدا کر دیا جائے تو آدمی لاکھ تصور کر لے اسے نماز باجماعت نہیں کہا جا سکتا، آن لائن نماز میں جماعت کی روح اور حقیقت ہی موجود نہیں ہوتی اس لئے اس کو نماز باجماعت کا نام دینا ہی لایعنی اور بعید از عقل ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے روزے کی حقیقت کھانے پینے اور خواہشات سے رکنا ہے، اب کوئی ہر وقت کھاتا پھرے اور خواہش کی تکمیل کرتا رہے اور یہ خیال کرے کہ وہ روزہ سے ہے تو اس کی حماقت کا کیا ٹھکانہ ہے؟!

فقہی قاعدہ

فقہائے کرام نے اقتداء اور نماز باجماعت کے قرآنی و نبوی ہدایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ قاعدہ مستنبط فرمایا ہے: مسجد کے اندر یا مسجد کے صحن اور ملحقات میں صفوں کے درمیان خالی جگہ باقی رہ جائے تو اس سے امام کی اقتدا باطل نہیں ہوتی ، نماز ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ مسجد اور اس کا صحن ایک مکان کے حکم میں ہے؛ البتہ مسجد کے اطراف کی سڑکوں و عمارتوں کے زمینی حصہ میں امام کی اقتداء صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مسجد کی صفیں سڑکوں یا ان عمارتوں کے زمینی حصہ تک پہنچ جائیں ، بصورتِ دیگر امام کی اقتداء

سڑکوں پر صف بنا کر کرنا یا اطراف کی عمارتوں کے زمینی حصہ سے شرعاً صحیح نہیں، نیز مساجد کے اطراف کی عمارتوں میں واقع کمروں یا ان عمارتوں میں بنائی گئی نماز کی جگہوں سے مسجد کے امام کی اقتداء صرف اس صورت میں درست ہوگی جب کہ مسجد کی صفیں اتصال کے ساتھ (اتصالِ صفوف سے مانع حدِ شرعی کے بغیر) کمروں تک یا عمارت کے مصلیٰ تک پہنچ جائیں (فتاویٰ شامی:۱/ ۵۸۵)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو، جناب جاوید احمد غامدی اور ان کے ماننے والوں کو ہدایت اور فکرِ سلیم عطا فرمائے.......آمین

اللّٰهمہ یا مقلّب القلوب ثبت قلوبنا علی دینك، اللّٰهمہ إنا نعوذ بك من الحور بعد الکور، وأجرنا من مضلّات الفتن ما أحییتنا توفّنا مسلمین وألحقنا بالصالحین، برحمتك یا ارحم الراحمین وصل علی محمد واٰله وصحبه أجمعین والحمد لله رب العالمین۔

....

جامعہ دارالعلوم کراچی کا فتوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا تھا، وہ یہ کہ پچھلے ہفتے سے کورونا وائرس کی وجہ سے نیو زی لینڈ میں لاک ڈاؤن ہوا ہے، پچھلے جمعہ کو ہمارے بعض مسلمان پاکستانی دوستوں نے یہ تجویز پیش کی کہ نمازِ جمعہ zoom پہ جو اسکائپ کی طرح کا ایک ویڈیو کالنگ سافٹ ویئر ہوتا ہے، پڑھی جائے، اس طرح سے کہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں زوم پہ کانفرنس کال میں شرکت کرلیں، امام اپنے گھر سے زوم پہ خطبہ پڑھے اور پھر امامت کرے اور لوگ اپنے اپنے گھروں سے زوم پہ اس کی اقتداء کریں۔

احقر کے علم میں نہیں تھا کہ اس طرح سے نمازِ جمعہ ہوسکتی ہے کہ نہیں اس لئے خیال ہوا کہ آپ سے پوچھ لوں۔

والسلام

احقر عبداللہ (نیوزی لینڈ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداومصلیا

مقتدیوں کے لئے امام کی اقتداء درست ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں مکانِ واحد (ایک جگہ) میں موجود ہوں، اگر امام اور مقتدی الگ الگ جگہ میں ہوں گے تو اقتداء درست نہ ہوگی اور نماز نہیں ہوگی اگرچہ مقتدیوں کو کانفرنس کال کے ذریعہ امام کی آواز آرہی ہو لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر امام اپنے گھر میں zoom (زوم) پہ نماز پڑھائیں اور مقتدی اپنے اپنے گھروں میں کانفرنس کال کے ذریعہ امام کی اقتداء کریں تو چوں کہ امام اور مقتدی الگ الگ جگہ پر ہیں اس لئے مقتدیوں کی اقتداء درست نہیں ہوگی اور نماز نہیں ہوگی، اس لئے zoom (زوم) پہ کانفرنس کال کے ذریعہ جمعہ یا عام فرض نمازوں میں امام کی اقتداء کرنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

فی الدر المختار: ۱/۵۵۰

شروط عشرة: نية المؤتم الاقتداء واتحاد مكانهما وصلاتهما۔

وفی رد المحتار: ۱/۵۵۰

قوله واتحاد مكانهما فلو اقتدى راجل براكب أو بالعكس أو راكب براكب دابة أخرى لم يصح لاختلاف المكان...........واللہ اعلم بالصواب

دارالافتا جامعہ دارالعلوم کراچی

فتویٰ نمبر: 13/2164

۶/شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ

31/مارچ 2020ء

اس کتاب کے بارے میں

دراصل گمراہی کے دو بنیادی اسباب ہوتے ہیں، ایک جہالت دوسرے علمِ حق کے مقابلہ میں خودرائی اور اپنی عقل وفہم کو زیادہ اہمیت دینا، عقل کارآمد چیز ہے جب تک کہ وہ علمِ حق کے تابع ہو ورنہ بے اعتدالی کا شکار ہوجاتی ہے، جتنے گمراہ فرقے اور نظریے وجود میں آئے، ان کے پیچھے بنیادی طور پر یہی دو اسباب ہیں، بہت قابلِ قدر کاوش ہے عزیز القدر مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی کی، (جنہوں نے) علمی بے راہ روی کے اسباب پر بہت خوب روشنی ڈالی ہے اور موجودہ دور کے بعض جدید نظریات اور اسلاف سے ہٹ کر اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے والوں میں بالخصوص جاوید احمد غامدی کے کچھ نظریات کا جائزہ لیا ہے، جس کی شدید ضرورت تھی۔

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم
صدر دینی مدارس بورڈ وصدر مجلس تحفظ ختم نبوت تلنگانہ وآندھرا

⦿ ⦿ ⦿

اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی علمی بے راہ روی کے اسباب اور جاوید احمد غامدی کے بعض نظریات کا جائزہ ہے، جو عزیز گرامی قدر مولانا مفتی محمد مکرم محی الدین صاحب حسامی قاسمی کی تصنیف ہے، آپ نے غامدی صاحب کے چند باطل خیالات پر معروضی انداز میں مختصر نقد وتبصرہ کیا ہے، ان کے دو غلط نقطۂ نظر کہ آن لائن نمازِ باجماعت ہوسکتی ہے اور جمعہ کے منبر ومحراب حکمرانوں کے لئے ہیں، ان کا تحقیقی اور قدرے تفصیلی رد لکھا ہے، آغازِ رسالہ میں ان دس اسباب کو بھی قلمبند کیا ہے جو عموماً اس طرح کے گمراہ لوگوں میں پائے جاتے ہیں، خاص بات یہ ہے کہ موصوف نے تنقید میں دامنِ اعتدال کو نہیں چھوڑا ہے، وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہیں اور مبارک بادی کے مستحق ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم
صدر مفتی وشیخ الحدیث ثانی جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

Al-Qalam Graphics Hyd. 7659841514